کی زبان سے اس حکم کے نزول کی تفصیل سنیئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ :

" طلاق کا حکم نازل ہونے سے پہلے ایک آدمی جتنی طلاقیں چاہتا تھا، دے دیتا تھا اور پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نہ تجھ کو علیحدہ کروں گا اور نہ تجھ کو اپنے قریب ہی آنے دوں گا۔ ایسا ہی کرتا رہوں گا۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئی اور اس نے اپنی تکلیف بیان کی۔ حضرت عائشہؓ نے اس کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ اسے سن کر خاموش ہو گئے اور اس وقت کوئی جواب نہیں دیا اور اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی :"

الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان [1]

طلاق دو بار ہے اس کے بعد یا تو بھلائی سے روک لینا چاہیئے یا پھر خوش اسلوبی سے چھوڑ دینا چاہیئے۔

اس کے بعد طلاق دینا اور رجوع کرنا کھیل نہیں رہا، بلکہ اب ایک آدمی ایک بار یا دو بار طلاق دے کر عدت کے بعد تجدید نکاح کر کے اس سے رجوع کر سکتا ہے۔ تیسری بار طلاق دینے کے بعد بیوی کو اپنے پاس رکھنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ آپ نے لوگوں کی چھچھی ذہنیت کو بدلنے کے لیے بار بار اس سلسلہ میں یہ ہدایت فرمائی کہ لوگ طلاق کو کھیل اور مذاق نہ بنائیں۔ بلکہ اس اجازت سے انتہائی مجبوری کی حالت میں ہی فائدہ اٹھائیں۔ آپ نے بار بار فرمایا :

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق

حلال چیزوں میں مبغوض ترین چیز خدا کے

---

[1] یہ روایت امام بیہقی نے سنن میں نقل کی ہے اس روایت کو مرسلاً امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔

Marfat.com

یہاں طلاق ہے۔

آپ نے نکاح و طلاق کے بارے میں کبھی مذاق اور ہنسی کی بھی اجازت نہیں دی۔ یعنی اگر کوئی شخص مذاق سے بھی طلاق دے دے تو وہ مذاق بھی سنجیدگی پر محمول کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا:

ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ[1]

تین چیزوں کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے: نکاح، طلاق اور رجعت

آپ نے اس بارے میں یہ بھی تاکید فرمائی کہ اگر کسی کو طلاق دینے کی نوبت پیش آئے تو حالت حیض میں طلاق نہ دی جائے۔ بلکہ طہر یعنی پاکی کی حالت میں دی جائے۔ اور ایک ساتھ نہ دی جائے۔ بلکہ ایک طلاق دے کر طلاق دینے والا ایک ماہ کا وقفہ کرے۔ اگر اس درمیان میں اس کے تعلقات درست ہو گئے تو رجوع کر لے، ورنہ پھر دوسرے مہینے طلاق دے۔ اس طرح اس کو اچھی طرح غور کرنے اور نادم ہونے کا موقع ملے گا۔ لیکن اگر اس نے طلاق کے لفظ کا بے جا استعمال کیا، یعنی اس نے حالت حیض میں طلاق دے دی، یا ایک وقت میں تینوں طلاقیں دے ڈالیں تو اس کو اس طرح طلاق دینا کتاب و سنت کی وضاحت کے خلاف ہے۔ مگر اس غلطی کی وجہ سے آدمی کو اس کے بنیادی حق سے تو محروم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کو اس بات پر سزا دی جا سکتی ہے کہ اس نے غور و فکر اور ندامت کے موقع کو ضائع کر دیا۔ یہی بات ہے جسے آپ نے اور صحابہ کرام نے اس طرح طلاق دینے والوں سے ہمیشہ فرمائی۔ مقصد یہ ہے کہ طلاق کے معاملہ کو ہر صورت میں سنجیدگی پر محمول کیا جائے گا۔ اس لیے جب اس نے تین طلاق اپنی زبان سے دے دی، تو اس کو نافذ ہی کیا جائے گا۔ لیکن

---

[1] یہ روایت ائمہ خمسہ محاح بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

Marfat.com

چونکہ اپنے حق کے استعمال میں اس نے غلطی کی ہے اس لیے اس کو اس کے ساتھ گنہ کا بھی قرار دیا جائے گا اور سزا بھی دی جا سکتی ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کرتے تھے۔[1]

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب بھی اس طرح کے معاملات پیش آئے۔ آپؐ نے ایک طرف تین طلاقیں نافذ کر دیں اور دوسری طرف اسکو گنہ گار اور غلط کا بھی فرمایا۔

حضرت محمود بن لبید سے مروی ہے کہ ایک شخص کے بارے میں آپ کو یہ اطلاع ملی کہ اس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دی ہیں، تو آپ غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیل کیا جا رہا ہے۔[2]

اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ آپ نے ان طلاقوں کو نافذ کیا یا نہیں، مگر اس روایت کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ آپ نے اس کو ضرور نافذ فرمایا جس کی تائید دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے۔ ابوبکر ابن عربی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولم یردہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل امضاہ۔	آپ نے اسے رد نہیں کیا یعنی رجوع کا حکم نہیں دیا بلکہ تینوں کو نافذ کر دیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں ایک طلاق دی اور

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۳۱۵ موجودہ دور کی کسی بھی اسلامی ملک کی حکومت کو یہ حق آج بھی ہے کہ اس کے لیے کوئی سزا مقرر کر دے۔

[2] نسائی کتاب (الطلاق) باب الثلاث المجموعۃ وما فیہ من التغلیظ اس روایت کی صحت میں کچھ کلام کیا گیا ہے مگر اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، مقصد یہ ہے کہ یہ طریقہ قرآن کے منشاء کے خلاف ہے۔

Marfat.com

پھر خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا :

ما ھٰذا امرک اللہ اخطات السنۃ — خدا نے تمہیں اس طرح طلاق دینے کا حکم نہیں دیا ہے تم نے سنت کے خلاف کیا

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ رجوع کر لو اور پھر طلاق دینا ہو تو دوسرے طہر میں طلاق دینا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے پھر دریافت کیا کہ اگر میں نے ایک ساتھ تین طلاقیں دے دی ہوتیں تو کیا اس کے بعد بھی میں رجوع کر سکتا تھا۔

آپ نے فرمایا :

کانت تبین ذالک وکانت معصیۃ[1] — تم رجوع نہیں کر سکتے تھے اس کے بعد تم سے بالکل جدا ہو جاتی اور تمہارے اوپر گناہ بھی ہوتا۔

جس طرح ایک ساتھ تین طلاق دینا مناسب نہیں ہے اسی طرح حیض کی حالت میں طلاق دینا بھی منع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گزر چکا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ خدا نے اس طرح طلاق دینے کا حکم نہیں دیا ہے۔

جس طرح پہلے شخص کے بارے میں آپ نے غصہ کا اظہار فرمایا اسی طرح

---

[1] طحاوی، بیہقی وغیرہ نے اس روایت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا مگر اس روایت کے ابتدائی حصہ کو دوسرے ائمہ حدیث بخاری، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ نے نقل نہیں کیا ہے۔

Marfat.com

اس کو بھی غلط کار کہا اور غصہ کا اظہار فرمایا[1]۔ اس کے باوجود آپ نے اس طلاق کو رد نہیں فرمایا۔ اس پر بعض لوگوں کو تعجب ہوا اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ اس طلاق کو طلاق سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا خاموش رہو، میری غلطی اور حماقت کی وجہ سے کیا یہ طلاق شمار نہ کی جائیگی[2]۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر طلاق صحیح طریقہ پر نہ بھی دی جائے تو وہ طلاق پڑ جاتی ہے۔ البتہ اس غلطی کی وجہ سے اس فعل کو معصیت کہا جائے گا۔ پھر اس روایت کے آخری الفاظ پر غور کیا جائے تو اس سے پہلی روایت کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ یعنی ابن عمرؓ کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس حالت میں تین طلاقیں دے دیتے تو تمہاری بیوی تم سے علیحدہ بھی کر دی جاتی اور تم گنہ گار بھی ہوتے۔ یعنی جب تم تین طلاق دینے کے بعد بیوی علیحدہ تو ہو ہی جائے گی مگر چونکہ یہ طریقہ غلط ہے اس لیے آپ نے اس پر غصہ کا اظہار فرمایا، اس کو خلاف سنت کہا اور معصیت بتایا تاکہ لوگ آئندہ اپنے حق کا استعمال صحیح طور پر کریں۔

تیسری روایت ملاحظہ ہو:

سہیل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص عویمر کو اپنی بیوی پر شبہ ہوا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی غیر مرد کو دیکھے تو اس کو قتل کر دے یا کیا کرے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس بارے

---

[1] دارقطنی میں ہے: فتغیظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] بخاری کتاب الطلاق، اصل میں الفاظ فان فجزاء استحق آئے ہیں اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں ایک تو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے علاوہ بھی کوئی چارہ کار ہے اس وقت یہ جملہ انکاریہ ہوگا۔ (فتح الباری)

Marfat.com

میں خدا کا حکم نازل ہو چکا ہے۔ جاؤ اپنی بیوی کو لے آؤ۔ تو آپؐ نے ان دونوں کو لعان کا حکم دیا۔ انہوں نے لعان[1] کیا۔ اس کے بعد عویمر نے کہا کہ اب میں جھوٹا ٹھہروں گا اگر اس کو بیوی بنائے رکھوں۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے قبل ہی تین طلاقیں دے دیں۔[2]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عویمر نے آپؐ کی موجودگی میں تین طلاقیں دیں اور آپؐ نے ان کو نافذ کر دیا۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ لعان میں تفریق حاکم کے ذریعہ ہوتی ہے اور یہ فرض آپؐ نے خود انجام دیا، مگر یہ تفریق لعان کی بنا پر نہیں، بلکہ تین طلاق کی بنا پر آپؐ نے کی۔

اس سلسلہ میں ایک روایت اور ملاحظہ ہو۔

عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ ان کے دادا نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے دادا نے خدا کا خوف نہیں کیا، محض تین طلاقوں کا ان کو حق تھا، البتہ ۹۹۷ طلاقیں ظلم و زیادتی ہیں خدا چاہے گا تو معاف کرے اور اگر چاہے گا تو عذاب دے گا۔

اس روایت پر شوکانی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں ان کے باپ یا دادا کے طلاق کا ذکر ہے اور ان میں سے کسی نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا، اس لیے ان کے بارے میں سوال کے کیا معنی، مگر یہی روایت عبادہ بن صامتؓ سے دارقطنی اور مجمع الزوائد میں ان الفاظ کے ساتھ روایت ہوئی ہے کہ میرے بعض بزرگوں میں سے کسی نے اپنی بیوی

---

[1] لعان کا طریقہ سورۂ نور میں مذکور ہے۔

[2] ابوداؤد اور نسائی میں انہی الفاظ کے ساتھ یہ روایت آئی ہے امام احمد کی روایت میں کذبت کے بجائے ظلمت کا لفظ ہے اور تین طلاق کے بجائے تین بار لفظ طلاق دہرانا ہے۔

Marfat.com

کو ایک ہزار طلاق دی اور ان کے لڑکوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا:

بانت منہ بثلاث علی غیر السنۃ — تین طلاق سے عورت اس سے جدا ہو گئی اگرچہ یہ سنت کے خلاف ہے۔

گو دونوں روایتوں پر محدثین نے کلام کیا ہے لیکن اوپر کی احادیث کی روشنی میں اس کو دیکھا جائے تو یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔

ایک اور روایت حضرت حسن سے مروی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ بیوی کو اس کا بڑا رنج ہوا، اس کی اطلاع ان کو ہوئی تو ان کو بھی رنج ہوا۔ اور انہوں نے کہا کہ اگر میں نے قطعی طلاق نہ دے دی ہوتی تو رجعت کر لیتا۔ مگر اب مجبوری ہے۔ اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین طلاقیں طہر میں دے، یا تین مہینے میں دے یا ایک ساتھ تین طلاقیں دے تو وہ عورت حرام ہو جاتی ہے اب بغیر نکاحِ ثانی وہ میرے ساتھ نہیں رہ سکتی۔[1]

اسی طرح حفص بن عمروؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف کے بارے میں بھی مذکور ہے کہ ان لوگوں نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی مگر آپؐ نے اسے ایک نہیں قرار دیا۔[2]

---

[1] یہ روایت دار قطنی میں دو واسطوں سے مروی ہے دونوں میں ایک ایک راوی کو بعض محدثین نے ضعیف کہا ہے اور ان پر شیعیت کا الزام لگایا ہے مگر اس کے باوجود ابن معین اور ابو داؤد نے ایک کی روایت کو قبول کیا ہے۔ اس لیے یہ روایت ضعیف ہونے کے باوجود اپنے متن کے اعتبار سے رد کر دینے کے قابل نہیں ہے۔

[2] یہ دونوں روایتیں دار قطنی میں ہیں ان کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے البتہ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ حفص بن عمروؓ نے تین طلاقیں جدا جدا دی تھیں اور ابن عوفؓ نے "البتہ" کا لفظ استعمال کیا یعنی قطعی طلاق یا بالکل طلاق کا لفظ استعمال کیا۔

Marfat.com

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حیض میں یا ایک مجلس میں یا ایک طہر میں دی گئی تین طلاقوں کے بارے میں ہمیشہ آپؐ نے مرد و عورت کے درمیان جدائی کا فیصلہ فرمایا۔

ان ارشاداتِ نبوی کے بعد اب ممتاز صحابہ کے آثار و فتاوی پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے:

مدینہ میں ایک پرمذاق آدمی تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے ڈالیں۔ یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو اس نے کہا کہ میں نے مذاقاً یہ طلاقیں دی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا کوڑا سنبھالا اور کہا کہ تمہارے لیے تین طلاقیں کافی ہیں۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے سامنے ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے فرمایا:

بانت منک بثلاث تین ہی سے تمہاری عورت تم سے جدا ہو گئی

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک ایسا ہی شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دے دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تین ہی طلاق نے تمہاری بیوی کو حرام کر دیا، بقیہ طلاقوں کو دوسری بیویوں میں تقسیم کر دو۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فتوے کے بارے میں ممتاز تابعی اعمش بیان کرتے ہیں کہ کوفہ میں ایک شخص سے میں نے سنا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں

---

[1] سنن بیہقی جلد ۷، ص ۳۳۴۔ ابن حزم جن کا مسلک اس کے خلاف ہے، انہوں نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

[2] بیہقی جلد ۷، ص ۳۳۵

یہ بیان کر رہے تھے کہ میں نے ان سے سُنا ہے کہ جو ایک مجلس میں تین طلاق دے، وہ ایک شمار ہوگی۔ کوفہ میں یہ نیا فتویٰ تھا اس لیے لوگ جوق در جوق یہ روایت سننے کیلئے اُنکے پاس آنے لگے۔ میں بھی ایک دن ان کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ آپ نے کس طرح سُنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک ہی وقت میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھتے تھے۔ انہوں نے وہ روایت بیان کی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو یہ روایت کیسے پہنچی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس یہ روایت لکھی ہوئی موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہ تحریر پیش کی۔ امام اعمش کہتے ہیں کہ میں نے اس کو پڑھا تو اس میں یہ تحریر تھا:

هذا ما سمعت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یقول اذا طلق امرأۃ ثلاثا فی مجلس واحد فقد بانت ولا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ[1]	یہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاق دے دے تو وہ عورت بائن ہو گی اور جب تک وہ حلالہ نہ کرے اس وقت تک وہ اس کیلئے حلال نہیں ہو سکتی۔

امام اعمش کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ افسوس ہے یہ تو بالکل اس کے خلاف ہے جو آپ بیان کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا صحیح تو یہی ہے جو اس میں لکھا ہے مگر مجھے کچھ لوگوں نے یہ روایت اس طرح بیان کرنے پر آمادہ کیا۔[2] حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتاوے عام طور پر کوفہ میں معروف و مشہور تھے اس لیے لوگوں کو تعجب ہوا اور لوگ جوق در جوق یہ نئی روایت سننے کے لیے آنے لگے۔ امام اعمش نے ان لوگوں کا نام تو نہیں بتایا کہ کن

---

[1] سنن بیہقی، ج ۷، ص ۳۳۹، ۳۴۰

[2] اس روایت پر کوئی کلام نہیں کیا گیا ہے مگر اس میں دونوں پہلوؤں کا امکان ہے۔ یعنی حضرت علی رضؓ کی مخالفت کے ساتھ امام اعمش کو مطعون کرنا بھی مقصود ہے۔

لوگوں نے ان کو اس پر آمادہ کیا تھا۔ قیاس یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین نے ایسا کرایا ہوگا۔

حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے کہا کہ میں نے گزشتہ رات اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا رگ، اس نے کہا ہاں۔ آپ نے پھر اس سے سوال کیا کہ تم اس کو اپنے سے جدا بھی کرنا چاہتے ہو۔ اس نے کہا، ہاں۔ آپ نے کہا کہ تمہارا جو ارادہ ہے وہ پورا ہوگیا۔ تیری تمہاری عورت تم پر حرام ہوگئی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ خدا نے طلاق کے لیے واضح حکم دے دیا ہے تو جو لوگ اپنے اوپر بوجھ لادنا ہی چاہتے ہیں، ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ ہم ان کا بوجھ ہلکا کرتے پھریں تم لوگ جیسا کچھ کہو گے، ایسا ہی حکم لگایا جائے گا۔[1]

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے معاذ! جو شخص غیر مسنون طریقے پر ہو یا تین طلاق دے دے ہم اس کی اس بدعت کو نافذ کر دیں گے۔[2]

حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے پوچھا کہ اگر میں حیض کی حالت میں تین طلاق دے دیتا تو وہ پڑ جاتیں۔ آپ نے فرمایا، تین طلاق بھی پڑ جاتی اور تم گنہ گار بھی ہوتے۔ اب ان کا فتویٰ بھی سنیے:

نافع بیان کرتے تھے کہ حضرت ابن عمر اس شخص کے بارے میں جو ایک ساتھ تین طلاق دیدے یہ کہا کرتے تھے کہ:

---

[1] بیہقی ج ۷، ص ۳۳۵

[2] دارقطنی ص ۴۲۳ کتاب الطلاق میں اس روایت کے ایک راوی اسماعیل بن امیہؒ کو محدثین نے ضعیف کہا ہے مگر دوسری روایات کی متابعت کی وجہ سے اسکا ضعف دور ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

بانت منہ امرأتہ وعصی ربہ تعالیٰ وخالف السنۃ[1]

اس کی عورت تو اس سے جدا ہو ہی گئی، اس نے یہ طریقہ اختیار کر کے خدا کی معصیت اور سنت نبوی کی بھی مخالفت کی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجعت کا جو حکم دیا تھا اس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی تھی کہ جتنی طلاق بھی غلط طریقہ پر دی جائے گی اس کے بعد بھی رجعت کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں یکبارگی تین طلاقیں دے دیں ہیں۔ آپ نے فرمایا، تم نے اپنی بیوی کو جدا کر دیا۔ اس نے کہا کہ اسی طرح ابن عمر رضؓ نے بھی اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجعت کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا، ہاں انہوں نے رجعت کی گنجائش رکھی تھی اس لیے آپ نے ایسا حکم دیا تھا، مگر تم نے کوئی گنجائش نہیں رکھی ہے[2]

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے متفقہ طور پر مدخول بہا کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ اس کو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی۔ بیہقی اور موطا امام مالک میں ان کے فتاوے موجود ہیں، گو یہ فتوے غیر مدخول بہا کے بارے میں ہیں اور یہاں بحث مدخول بہا کی ہے، مگر اس سے یہ تو اندازہ ہو ہی جاتا ہے کہ یکبارگی تین طلاقیں نافذ کر دینے کا فتویٰ ان بزرگوں نے دیا ہے۔

اسی طرح عمران بن حصین اور حضرت انس اور زید بن ثابت سے بھی ثابت ہے کہ

---

[1] دار قطنی

[2] بیہقی ج ۷، ص ۳۳۴

ایک مجلس کی تین طلاقوں کو انہوں نے تین ہی قرار دیا[1]۔ عمران بن حصینؓ کے فتوے کے الفاظ بیہقی میں یہ ہیں :

اثم بہ وحرمت علیہ امرتہ — اس نے خدا کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔

جس کے بارے میں یہ فتویٰ دیا گیا تھا وہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس پہنچا اور اس نے ان سے کہا کہ ابن حصین تو یہ فتویٰ دیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ ابوموسیٰؓ نے کہا خدا ابن حصین جیسا آدمی کثرت سے پیدا کرے۔

اب اس سلسلہ میں حضرت ابن عباسؓ (جن کی روایت پر دوسرے لوگوں کے استدلال کی بنیاد ہے) کے ان اقوال اور فتاوے کو دیکھئے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرتے تھے۔

مجاہد سے روایت ہے کہ میں ابن عباس کی خدمت میں موجود تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ یہ سن کر وہ کچھ خاموش رہے۔ ان کی خاموشی سے مجھے گمان ہوا کہ وہ اس طلاق کو رجعی قرار دیں گے۔ مگر انہوں نے فرمایا کہ لوگ حماقت کر بیٹھتے ہیں، پھر یہاں آکر اے ابن عباس! اے ابن عباس! پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو اس سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے راہ پیدا کر دیتا ہے۔ تم اس سے ڈرتے نہیں اس لیے میں تمہارے لیے کوئی راہ نہیں پا رہا ہوں، تم نے خدا کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے جدا ہوگئی۔

---

[1] ابن حصین کی روایت بیہقی نے ج ۷ ص ۳۳۲ میں نقل کی ہے اور حضرت انس کی روایت معانی الآثار میں ہے۔ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس کو نقل کیا ہے۔ زید بن ثابت کے بارے میں بھی صاحب فتح القدیر نے نقل کیا ہے کہ وہ اس کے قائل تھے۔

Marfat.com

ابوداؤد نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مجاہد سے یہ روایت دوسرے سلسلۂ سند سے بھی ثابت ہے۔ ان کے متعدد شاگردوں کا نام لیا ہے جنہوں نے ان سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی نافذ کرنے کے فیصلہ کو نقل کیا ہے مثلاً عکرمہ، سعید بن جبیر، عطاء، مالک بن حارث، عمرو بن دینار۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ:

کلھم قالوا فی اطلاق الثلاث انہ اجازھا وقال وبانت منک (ابوداؤد کتاب الطلاق)	ان میں سے ہر ایک نے یہی کہا ہے کہ ابن عباس کے سامنے جب یہ مسئلہ آیا تو انہوں نے تینوں طلاقیں نافذ کر دیں اور سائل کو جواب دیا کہ تمہاری بیوی تم سے الگ ہو گئی۔

دارقطنی اور بیہقی نے ان میں سے ہر ایک کی روایت کو الگ الگ نقل کر دیا ہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے دس جلیل القدر شاگرد یعنی ابن جبیر، عطاء بن ابی رباح، طاؤس، عکرمہ، عمرو بن دینار، مالک بن حارث، محمد بن ایاس، معاویہ ابن عیاشی، ان تمام لوگوں نے ان سے روایت کی ہے کہ:

انہ اجاز الطلاق الثلاث وامضاھن	ابن عباس نے ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو جائز رکھا اور نافذ کیا۔

امام مالک نے موطا میں نقل کیا ہے کہ ابن عباسؓ سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تین ہی سے تمہاری بیوی مطلقہ ہو گئی، بقیہ ۹۷ طلاقوں کے ذریعہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ استہزا کیا ہے[1] جو تمہارے لیے قیامت میں وبال بنے گا۔

---

[1] دارقطنی نے بھی اس روایت کو الفاظ کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے آخری جملہ دارقطنی ہی کا ہے۔

Marfat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد مالک بن حارث روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دی ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہارے چچا نے خدا کی نافرمانی کی۔ اس لیے خدا نے اسے شرمندہ کیا اور اس کے لیے راہ نہیں پیدا کی۔[1]

عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ ابن عباسؓ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے آسمان کے تاروں کے بقدر طلاق دے دی تھی، انہوں نے وہی جواب دیا جو اوپر دے چکے ہیں۔

حضرت ابن عباس کے شاگردوں میں صرف ایک شاگرد طاؤس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دو یا تین طلاق کو ایک سمجھتے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کرتے تھے، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے مگر طاؤس کے بارے میں علی ابن المدینی امام جرح و تعدیل نے معمر اور ابن طاؤس کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ ابن طاؤس کہتے تھے کہ:

"جو شخص یہ بیان کرے کہ طاؤس ایک ساتھ دی گئی تین طلاقوں کو ایک سمجھتے تھے وہ جھوٹا ہے"۔[2]

اوپر جن صحابہ کے فتاوے نقل کیے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک کو صاحبِ فتاوا سمجھا جاتا ہے اور ان ہی کے فتاوے پر پوری جماعتِ صحابہ اور اس کے بعد پوری امت کا تعامل ہے اور اسلامی فقہ کی بنیاد کتاب و سنت کے نصوص کے بعد ان ہی

---

[1] یہ روایت ابن ترکمانی نے الجواہر النقی میں مصنف ابن ابی شیبہ سے نقل کی ہے۔

[2] علامہ تاہد الکوثری نے لکھا ہے کہ یہ روایت حسین بن علی نے القضا میں نقل کی ہے نیز اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۵۰۲ میں بھی درج ہے۔

Marfat.com

فتاوے واجتہادات پر ہے۔

اب اس کے بعد تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ کے فتاوی اور جمہور کی آراء ملاحظہ ہوں:

اوپر متعدد تابعین کی روایتیں گذر چکی ہیں جنہوں نے اس بارے میں عام صحابہ کے فتوے نقل کیے ہیں، ظاہر ہے وہی رائے ان کی تھی، جو انہوں نے اپنے استاذ صحابی سے نقل کی ہے۔

امام محمد آثار میں نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی اس شخص کے بارے میں جو ایک طلاق دے اور نیت تین کی کرے، یا تین دے اور نیت ایک کی کرے، فرماتے تھے کہ اگر اپنی زبان سے ایک کہا ہے تو ایک طلاق سمجھی جائے گی اور اگر تین کہا ہے تو تین شمار ہونگی اور یہاں نیت کا کوئی سوال نہیں ہے۔

قیس بن ابی عاصم جو خود تابعی ہیں، وہ ممتاز صحابی مغیرہ ابن شعبہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے میری موجودگی میں ان سے پوچھا کہ ایک شخص نے سو طلاقیں دے دی ہیں، اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ بولے، تین ہی طلاق نے اس کی بیوی اس پر حرام کردی اور بقیہ ۹۷ بیکار ہوئیں [1]

اسی طرح نافع، محمد بن سیرین اور مسروق کے بارے میں صراحت ہے کہ وہ یہی فتوی دیتے تھے۔ ابن رجب جنہوں نے اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ لکھا ہے وہ صحابہ و تابعین کے بارے میں لکھتے ہیں:

لم تثبت عن احد من الصحابۃ ولا من التابعین ولا من ائمۃ السلف	جن صحابہ تابعین اور ائمہ سلف کے فتاوے حلال وحرام کے سلسلہ میں معتبر سمجھے جاتے ہیں

---

[1] اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۵۱۲ بحوالہ بیہقی۔

Marfat.com

المعتمد لقولهم فی الفتاوی فی الحلال والحرام شیئی صریح فی ان الطلاق الثلاث لغیر المدخول بہا واحدۃ اذا سبق

ان میں سے ایک شخص سے بھی صراحتہً یہ ثابت نہیں ہے کہ مدخول بہا عورت کو یکبارگی کوئی تین طلاق دیدے تو اس کو انہوں نے ایک شمار کیا ہو۔

شیخ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں :

مجتہدین صحابہ کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں ہے' ان کے علاوہ بہت کفوٹے ہیں اور تمام صحابہ انہی کے فتاوے پر عمل کرتے تھے اور انہی سے فتوے لیتے تھے۔ مثلاً خلفائے اربعہ' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن عمرو بن العاص زید بن ثابت' معاذ بن جبل' عائشہ' انس بن مالک' ابوہریرہ وغیرہ۔ ان میں سے اکثر کے فتاوے ہم نے نقل کر دیئے ہیں کہ وہ نہایت واضح طور پر ایک مجلس کی تین طلاقوں کو نافذ کرتے تھے اور صحابہ میں ان کا ایک بھی مخالف نظر نہیں آتا۔[1]

اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے اگر عدد کی تصریح کے ساتھ اس نے تین طلاقیں دی ہیں تو عورت خواہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اس کو تین طلاقیں پڑ جائیں گی البتہ اگر محض لفظ طلاق کی تکرار کی ہے تو اس میں ائمہ کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے۔

ابن ہبیرہ لکھتے ہیں :

واتفقوا (الائمۃ الاربعۃ) علی ان الطلاق الثلاث بکلمۃ واحدۃ بکلمات فی حالۃ واحدۃ او فی طہر واحد یقع ولم یختلفوا فی ذالک[2]

ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر تین طلاق عدد کی تصریح کے ساتھ یا ایک ہی حالت میں یا ایک طہر میں تین طلاقیں دی جائیں تو پڑ جائیں گی اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الطلاق۔

[2] الافصاح' ص ۲۹۵۔

البتہ اس بارے میں ائمہ کی آراء مختلف ہیں کہ یہ طلاق، طلاقِ سنت سمجھی جائے یا طلاقِ بدعت۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اس کو طلاقِ بدعت کہتے ہیں اور امام شافعی اور امام احمد اسے بھی طلاقِ سنت کہتے ہیں۔ جو ائمہ اس کو طلاقِ بدعت کہتے ہیں انکے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جس میں آپ نے اس کو خلافِ سنت اور معصیت قرار دیا ہے اور یہ چیز بھی ان کے پیشِ نظر ہے کہ اس کے نفاذ سے طلاق کا وہ اصل طریقہ لوگوں کے ذہن سے محو ہوتے پائے جس کی صراحت کتاب وسنت میں ہے۔

اور جو ائمہ اس کو سنت قرار دیتے ہیں ان کے پیشِ نظر غالباً یہ بات ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نافذ کر دیا تو اس کو بھی سنت ہی کہنا چاہیئے البتہ دونوں سنتوں میں فرق کیا جائے گا۔[1]

اسی طرح غیر مدخول بہا کے بارے میں ابنِ ہبیرہ لکھتے ہیں:

واتفقوا علی انہ قال الزوج لغیر المدخول بہا انت طالق ثلاثا طلقت ثلاثا - (الافصاح)	اس بارے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ اگر شوہر اپنی غیر مدخولہ بیوی سے یہ کہے کہ تجھ کو تین طلاق ہے تو تینوں طلاق پڑ جائیگی۔

اگر اس نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کے سامنے محض تین طلاق کا لفظ دہرایا ہے، مثلاً یوں کہا کہ طلاق، طلاق، طلاق۔ تو امام مالک یہ کہتے ہیں کہ اس میں اس کی نیت دریافت کی جائے گی، اگر تاکید مقصود تھی تو ایک ورنہ تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ جس سے اس نے مباشرت نہیں کی ہے وہ ایک ہی طلاق کے بعد بائن ہو جائے گی اس کے بعد اسے طلاق دینے کا اختیار باقی نہیں رہا۔

غرض یہ کہ اس بارے میں ان ائمہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایک مجلس

---

[1] امام شعرانی نے اس کو اشخاص اور حالات کے اختلاف پر محمول کیا ہے۔

Marfat.com

میں یا ایک حالت میں دی گئی تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔

حافظ ابن قیم نے اشرم تلمیذ امام احمد کا قول نقل کیا ہے کہ طلاق بدعۃ کو ایک سمجھتے تھے مگر حنبلی مسلک کی مشہور کتابوں مقنع بحر وغیرہ میں ہے کہ اشرم نے امام احمد سے پوچھا کہ ابن عباسؓ کی اس روایت کو آپ کس بنا پر چھوڑتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ:

ببراویۃ الناس عن ابن عباس انہا ثلاث	لوگوں کی کثرت سے روایتیں کہ ابن عباس تین طلاقوں کو تین سمجھتے تھے۔

قاضی ابویعلیٰ حنبلی نے امام احمد کا وہ خط طبقات الحنابلہ میں نقل کیا ہے جو انہوں نے مسدد بن مسرہد کو لکھا تھا، اس میں ہے کہ:

ومن طلق ثلاثا فی لفظ واحد فقد جھل وحرمت علیہ زوجتہ ولا تحل لہ ابدا حتی تنکح زوجا غیرہ (طبقات ۲۰۵)	جس نے ایک مجلس میں ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دیں، یعنی یہ کہا کہ میں نے تین طلاق دی تو اس نے نادانی کا کام کیا اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، ہمیشہ تک کہ وہ حلالہ نہ کرلے۔

اب ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے، مجتہدین صحابہ کے فتوے، تابعین اور ائمہ اربعہ کے مسالک اور جمہور امت کا ان پر تعامل ہے، دوسری طرف وہ روایتیں ہیں جن کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ طلاقِ ثلاثہ نافذ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بدعت ہے در نہ عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی میں تو ایک مجلس میں ایک حالت میں دی گئی تین طلاقوں کو ہمیشہ ایک ہی کہا جاتا تھا۔

اوپر ہم دونوں روایتیں نقل کر چکے ہیں۔ اب ان دونوں پر ذرا تفصیل سے کلام کیا جاتا ہے:

Marfat.com

پہلی روایت حضرت رکانہ سے مروی ہے، جن کی سند، متن اور صاحب واقعہ سب میں اختلاف ہے۔ اوپر جو روایت ابوداؤد سے نقل کی گئی ہے اس میں یہ واقعہ رکانہ کے بجائے رکانہ کے والد عبد یزید کا بتایا گیا ہے اور دوسری روایت میں یہ رکانہ کا واقعہ مذکور ہے۔ اسی طرح کسی روایت میں لفظ البتہ (قطعی) آیا ہے اور کسی میں ثلاث (تین) کا لفظ آیا ہے۔

امام احمد جنہوں نے اس روایت کو سب سے پہلے اپنی مسند میں جگہ دی ہے انہوں نے اس کے بارے میں یہ رائے دی ہے کہ:

ان طرقہ ضعیفۃ — اس روایت کے تمام طرق یعنی سلسلۂ سند کمزور ہیں

(معالم السنن ج ۲ ص ۲۳۶)

امام منذری کہتے ہیں کہ امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے۔

وضعفہ البخاری وقد وقع الاضطراب فی اسنادہ ومتنہ[2] — اس کو امام بخاری نے بھی ضعیف کہا ہے اور اس روایت کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے۔

ابوداؤد نے اس روایت کے جتنے طریقے ہیں، سب کو نقل کیا ہے، یعنی جس میں ان کے والد کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور جس میں خود ان کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس روایت میں اس کو رکانہ کا واقعہ طلاق بیان کیا گیا ہے، اس کے ایک سلسلہ میں تو "تین"

---

[1] تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۲۱۰

[2] متن کے اعتبار سے محدثین مضطرب اس حدیث کو کہتے ہیں، جس میں راوی نفس مضمون کے بارے میں کبھی کچھ کہتا ہے اور کبھی کچھ۔ اور سند کے اعتبار سے اضطراب یہ ہے کہ ایک راوی کچھ کہے، اور دوسرا کچھ اور تیسرا کچھ۔

Marfat.com

کا لفظ ہے اور دوسرے سلسلۂ سند میں "البتہ" کا۔ گو اس میں سے ہر ایک سلسلۂ سند کو ضعیف کہا گیا ہے مگر اس کے باوجود جس روایت میں "البتہ" کا لفظ ہے اس کو ابوداؤد نے دوسرے سلسلۂ سند کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے کیونکہ اس سلسلہ کے راویوں میں ان کے خاندان کے افراد زیادہ ہیں، اس لیے ان کا بیان دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ وقیع سمجھا جائے گا، لکھتے ہیں:

وھذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانۃ طلق امراتہ ثلاثا لانھم اھل بیتہ وھم اعلم بہ۔

ان کے اہلِ خاندان کا بیان ابن جریج کی اس روایت سے زیادہ صحیح ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ رکانہ نے تین طلاقیں دیں اس لیے کہ وہ ان کے اہلِ بیت ہیں اور وہ اس واقعہ کا ابن جریج سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

ابوداؤد نے اپنی اس رائے کا اظہار بار بار کیا ہے، جس روایت میں تین کا لفظ ہے اس کی روایت کرنے کے بعد بھی لکھتے ہیں کہ "ان کے گھر والوں کا بیان زیادہ صحیح ہے"۔۔ جس میں "البتہ" کا لفظ ہے۔ اس کے علاوہ جن محدثین نے رکانہ کی حدیث نقل کی ہے ان میں زیادہ تر "البتہ" کا لفظ ہے۔ مثلاً ترمذی، دارقطنی، امام شافعی وغیرہ۔ ابوداؤد کی اس معقول محدثانہ رائے کے بعد اس روایت کے سلسلہ میں کسی مزید بحث کی گنجائش باقی نہیں رہتی، کیونکہ "البتہ" کا لفظ مجمل یعنی کنایہ ہے، جس میں کہنے والے کی نیت دریافت کی جائے گی اور اسی پر فیصلہ کیا جائے گا۔

غرض یہ کہ یہ روایت دو طریقہ سے مروی ہے اور دونوں طریقے اوّلاً تو صحیح نہیں ہیں، اگر اسے صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس میں دوسرا طریقہ زیادہ صحیح ہے، جس میں طلاق ثلاثہ کے بجائے طلاق "البتہ" کا لفظ ہے۔ اب اسے یا تو ثلث ہی محمول کیا جائے گا، یا پھر اسے مجمل رکھ کر اس کی نیت دریافت کی جائے گی جو صورت بھی

Marfat.com

اختیار کی جائے، اس روایت اور دوسری احادیث نبوی، آثار صحابہ اور جمہور امت کے تعامل میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

اگر اس کو تین پر محمول کیا جائے اور پھر یہ بھی فرض کر لیا جائے جیسا کہ ابو صہباء کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں تو پھر اس میں رکانہ کو پریشان ہونے کی ضرورت کیا تھی، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ وہ بہت رنجیدہ ہوئے۔ اور عام روایتوں میں ہے کہ آپ نے ان کو قسم دے کر پوچھا کہ تم نے البتہ سے ایک ہی طلاق مراد لی تھی تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ "ما اردت الا واحدۃ" میرا ارادہ ایک طلاق دینے کا تھا۔ آپ نے اس کے بعد کہا، اچھا رجوع کر لو۔

ظاہر ہے کہ اگر عہد نبوی کا یہی معمول تھا تو ان کو بیکار پریشانی کے یہ سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ ایک ہی طلاق پڑی، اور پھر اگر ایک مجلس کی طلاق "ثلاثہ" کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی تصور فرماتے تھے تو آپ کو قسم لینے کی کیا ضرورت تھی کہ تم نے ایک کی نیت کی ہے یا دو کی یا تین کی۔ آپ کو فوراً فرما دینا چاہیئے تھا کہ ایک ہی طلاق پڑی۔ امام نووی لکھتے ہیں:

فقال له النبی صلی اللہ علیہ وسلم للہ ما اردت الا واحدۃ فقال واللہ ما اردت الا واحدۃ فقال اللہ ما اردت الا واحدۃ فھذا دلیل علیٰ انہ لو اراد الثلاث لوقعن والا فلا یکن لتحلیفہ معنی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا بخدا تم نے ایک ہی کا ارادہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم میں نے ایک ہی کا ارادہ کیا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر انہوں نے تین کا ارادہ کیا ہوتا تو وہ تینوں طلاقیں پڑ جاتیں، ورنہ آپ کے قسم دینے کے کوئی معنے ہی نہیں رہ جاتے۔

ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب "البتہ" کے لفظ سے ان کی

Marfat.com

ایک ہی نیت تھی تو پھر پریشان ہونے اور قسم کھانے کی کیا ضرورت تھی، تو اس بارے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ جب بھی غیر مسنون طریقہ سے طلاق دی جاتی تھی تو آپؐ لوگوں کو اس سے باز رکھنے کے لیے غصہ کا اظہار فرماتے تھے اور یہ طریقہ بھی غیر مسنون تھا، اس لیے کہ اگر کوئی شخص "البتہ" سے تین کی نیت کر لیتا تو تین ہی پڑ جاتی۔ چنانچہ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اس طریقۂ طلاق سے بھی روکا ہے۔ حضرت علی رضؓ کا بیان ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ایک شخص نے "البتہ" کے لفظ سے طلاق دی ہے، تو آپؐ نے ان الفاظ میں غصہ کا اظہار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق اور کھیل بناتے ہو، اور فرمایا:

من طلق البتة الزمناه ثلثاً لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره[1]	جو یکبارگی قطعی طلاق دے ڈالے اس کے لیے اس کی بیوی اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ دوسرا نکاح کر کے حلالہ نہ کرے۔

اس لیے اس طلاق سے ان کو پریشانی ہونی چاہیے تھی کہ یہ کہیں تین نہ قرار دے دی جائے اور آپ کے قسم دینے کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ یہ لفظ مجمل تھا جس کا دار و مدار محض نیت پر تھا، اور اس کی بات دریافت کرنے کا اس سے زیادہ کیا موثر ذریعہ ہو سکتا تھا کہ ان سے قسم لے لی جائے[2]، بہ خلاف اس کے اگر تین والی روایت کو ترجیح دی جائے، خواہ

---

[1] دار قطنی کتاب الطلاق، دار قطنی نے اس روایت کے ایک راوی اسمٰعیل بن ابی امیہ کے بارے میں اتنی جرح کی ہے کہ یہ تضعیف حدیث ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ جرح کسی روایت کو ساقط کرنے کیلئے کافی نہیں ہے۔

[2] اسی بنا پر بعض ائمہ کا مسلک ہے کہ طلاق کنایہ میں قسم لینی چاہیے اور غالباً اسی روایت کی بنا پر بعض ائمہ اس کو طلاق قطعی شمار کرتے ہیں اور بعض ائمہ مثلاً امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور احمد بن حنبل نیت دریافت کر کے پھر فیصلہ کرتے ہیں۔

Marfat.com

عدد کی تصریح کے ساتھ یا کلمات کی تکرار کے ساتھ، تو اس میں قسم کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

دوسری روایت

اب اس سلسلہ کی دوسری روایت ملاحظہ ہو۔ اس روایت کے جو الفاظ ابوداؤد میں منقول ہیں، وہ اوپر نقل ہو چکے ہیں۔ امام مسلم نے اس کو تین واسطوں سے نقل کیا ہے۔ ہم یہاں تینوں واسطوں سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

اس روایت کے راوی اول دو ہیں۔ اسحاق بن ابراہیم اور محمد بن رافع۔ ان دونوں نے اپنے اپنے شیخ سے روایت کی ہے۔

پہلی روایت اسحاق بن ابراہیم اور محمد بن رافع نے اپنے شیخ عبدالرزاق بواسطہ معمر روایت کی ہے کہ طاؤس کے لڑکے بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد طاؤس حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت کرتے تھے:

كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكر سنتين من خلافت عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا في امر قد كانت لهم فيه اناة فلو امضيناه عليهم فامضاه عليهم۔

عہدِ نبوی، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کے دوسرے برس تک تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس معاملہ (یعنی طلاق) میں لوگوں کو صبر سے کام لینا چاہئے تھا اس میں عجلت کرنے لگے ہیں۔ کاش! ہم اس کو نافذ کر سکتے چنانچہ انہوں نے نافذ ہی کر دیا۔

دوسرا واسطہ

پھر یہی روایت اسحٰق بن ابراہیم اپنے شیخ روح بن عبادہ سے بواسطہ ابن جریج اور ابن رافع اپنے شیخ عبدالرزاق سے بواسطہ ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ طاؤس خود بیان کرتے ہیں کہ:

Marfat.com

ان ابا الصهبا قال لابن عباس اتعلم انما كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وابي بكر وثلاثا من امارة عمر فقال ابن عباس نعم۔

ابوصہبا نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ کیا بات دی گئی تین طلاقیں عہدِ نبوی، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کے تین ابتدائی سالوں میں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے مجھے علم ہے۔

تیسرا واسطہ

تیسری روایت صرف ابن ابراہیم سے مروی ہے۔ اس بار انہوں نے اپنے تیسرے شیخ سلیمان ابن حرب سے یہ روایت نقل کی ہے۔ سلیمان کے اوپر کے راوی ایوب سختیانی اور ابراہیم بن میسرہ[1] اور حماد بن زید ہیں یہ تینوں اس سے روایت کرتے ہیں کہ:

ان ابا الصهباء قال لابن عباس هات من هناتك الم يكن طلاق الثلاث على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكر واحدة فقال قد كان ذلك فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فلجاز ذ۔

ابوصہبا نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ اپنی کچھ نادر معلومات بیان کیجئے۔ کیا عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی میں ایک ساتھ دی گئی تین طلاقیں ایک ہی سمجھی جاتی تھیں۔ ابن عباس نے فرمایا، کہ ہاں ایسا ہی تھا مگر جب حضرت عمر کے زمانہ میں لوگ کثرت سے تین طلاق ایک ساتھ دینے لگے تو انہوں نے اس کو نافذ کر دیا۔

اوپر کی طرح اس روایت میں بھی ذکر ہے کہ ابن عباسؓ کو ابوصہبا نے یہ سوال کر کے یاد دلایا یا کیا عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی میں تین طلاقیں ایک نہیں تھیں؟ پھر اس روایت

---

[1] اس میں ابن طاؤس کا ذکر نہیں ہے۔

Marfat.com

یہ ایک لفظ اور قابلِ غور ہے وہ ہے ھاتِ ھنا تک، امام نووی نے اس لفظ کی تفسیر یہ کی ہے:

والمراد من ھنا تک اخبارک و امورک المستغرب بہ

ہنا تک سے مراد یہ ہے کہ اپنی نادر معلومات کو سامنے لائیے۔

حضرت ابن عباسؓ کو ابوصہبا کا طلاق ثلاثہ کے بارے میں عہدِ نبوی کا تکامل یاد دلانا ہی کیا کم تعجب خیز تھا کہ اب وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ فرمائش کر رہے ہیں کہ ذرا اپنی نادر معلومات سامنے لائیے۔ ابن عباسؓ جو کتاب و سنت کے بارے میں پورے ممالکِ اسلامیہ کے مرکزِ نظر تھے جن کے علم پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک اعتماد کرتے تھے، ان کو ایک معمولی شخص جس کے مواد علم کا بھی پتہ نہیں، اس کا دینی معلومات میں حضرت عباسؓ کو اس انداز سے مخاطب کرنا جو کسی شیخ اور بزرگ کا ہو، اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے۔

پھر ابوصہبا اگر حضرت ابن عباسؓ کے غلام ہیں تو ان کو نسائی نے ضعیف کہا ہے اور اگر دوسرے ہیں تو وہ مجہول ہیں۔ یعنی روایات میں دوسرا نام بھی آتا ہے، پھر یہی روایت ابوداؤد میں ایک دوسرے واسطہ سے ہے جس میں یہ بھی ذکر ہے کہ یہ طلاقِ ثلاثہ جو عہدِ نبوی میں ایک شمار ہوتی تھی اور حضرت عمرؓ نے جسے تین قرار دیا، وہ اس صورت سے متعلق ہے، جس سے شوہر کی یکجائی نہ ہوئی ہو (غیر مدخول بہا) اور اس روایت کے راوی بھی قریب قریب وہی ہیں جو مسلم کی تیسری روایت کے ہیں یعنی حماد بن زید ایوب سختیانی وغیرہ۔

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر اس روایت کو مطلق رکھا جائے، تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو مطلق طلاق ثلاثہ کو خواہ وہ مدخول بہا سے متعلق ہو یا غیر مدخول بہا سے عہدِ نبوی میں ایک سمجھا جاتا تھا، تو یہ صحیح نہیں ہے اور اگر اس سے مراد مدخولہ بیوی لی جائے تو اوپر کی روایات سے اور خود ابن عباسؓ کی روایت سے اس روایت کا اختلاف ہو جاتا ہے اور اگر اس سے مراد مدخولہ عورت لی جائے تو بھی ابن عباسؓ کے مسلک کے

Marfat.com

یہ خلاف ہے، اس لیے کہ غیر مدخولہ کو طلاق ثلاثہ کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اس کو عدد کی تصریح کے ساتھ یعنی یہ کہنا کہ میں نے تین طلاق دی، تین طلاقیں دی جائیں، یعنی یہ کہا جائے کہ تجھے تین طلاق ہے، تو اس میں ابن عباسؓ کا مسلک وہی ہے جو مدخولہ کے بارے میں ہے اور اگر تکرار الفاظ کے ساتھ مثلاً یہ کہا جائے کہ طلاق ہے، طلاق ہے، تو اس میں ان کا مسلک یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد عورت بائن ہو جائے گی اور دوسری تیسری طلاق کا شوہر کو حق ہی باقی نہیں رہتا۔

مختصر یہ کہ جو صورت بھی اختیار کی جائے، یہ روایت اپنی جگہ درست نہیں ہوتی۔

اوپر اس روایت کے تمام واسطوں کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے ان کو سامنے رکھیے تو اس حدیث کے مضطرب ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اس روایت کو عام محدثین نے شاذ اور مضطرب کہا ہے۔ شاذ اس لیے کہ ابن عباسؓ کے صرف ایک شاگرد طاؤس روایت کرتے ہیں، دوسرے ان کے شاگرد اس کے خلاف روایت کرتے ہیں" جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے اور مضطرب اس لیے کہ نیچے کے ہر راوی کا بیان جدا جدا ہے، حالانکہ آخری راوی طاؤس سب میں مشترک ہیں تو پھر ان میں سے طاؤس کے کس بیان کو صحیح سمجھا جائے اور کسے غلط، قرطبی لکھتے ہیں:

وفیہ مع الاختلاف علی ابن عباس فی لفظہ اضطراب وظاھر سیاقہ یقتضی النقل من جمیعھم ان معظمھم کانوا یردون ذالک والعادۃ فی مثل ھذا ان لغیر الحکم ینتشر فکیف واحد عن واحد قال فھذا الوجہ یقتضی التوقف عن العمل بظاھرہ ان لم

اس روایت سے ابن عباس پر اس الزام کے ساتھ کہ ان کے فتاوے ایسے ایک ہی معاملہ میں مختلف ہوتے تھے، یہ خرابی بھی ہے کہ اس کے الفاظ میں اضطراب موجود ہے، ظاہری طور پر اس روایت کا اقتضا تو یہ ہے کہ اس کو صحابہ کی بہت بڑی تعداد سے منقول ہونا چاہیے کیونکہ عادتاً اس طرح کے معاملات

Marfat.com

تقتضی القطع بطلانہ

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۱۸)

ہر خاص و عام کو معلوم ہو جاتے ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے تو یہ قابلِ غور بات ہے کہ ایسا کیوں ہے کہ ایک راوی (طاؤس) محض ایک صحابی (یعنی ابنِ عباس) سے اسے بیان کرتے ہیں اس بنا پر اس روایت کو بالکل باطل قرار نہیں دیا جا سکتا تو کم سے کم اس پر عمل تو موقوف ہی کرنا پڑے گا۔

بالکل یہی رائے ائمہ جرح و تعدیل محدثین امام احمد، یحییٰ بن معین، یحییٰ بن سعید القطان، علی بن المدینی وغیرہ کی ہے کہ جب کوئی ایک متفرد راوی کچھ روایت کرتا ہو اور اکثریت اس کے خلاف روایت کرتی ہو، تو گو وہ ثقہ ہی کیوں نہ ہو، اس کی روایت قابلِ وثوق سمجھی نہیں جائے گی یا کم از کم اس میں توقف کیا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس روایت پر یہی اعتراض کرتے ہیں[1]۔ قاضی اسماعیل احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔ طاؤس نے اپنے علم و فضل کے باوجود بہت سی نادر اور شاذ روایتیں کی ہیں، ان ہی میں سے یہ روایت بھی ہے۔ ایوب سختیانی جو اس روایت کے راوی بھی ہیں، وہ طاؤس کی غلطیوں پر تعجب کیا کرتے تھے۔ اس روایت کے بارے میں ابنِ عبدالبر کی رائے نقل کرتے ہیں

شذ طاؤس فی ھذا الحدیث — طاؤس اس روایت میں منفرد ہیں۔

اسی طرح جوزجانی نے بھی لکھا ہے کہ میں نے اس کی اصلیت نہیں پائی۔

بیہقی لکھتے ہیں، یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن میں امام بخاری اور

---

[1] کتاب الاشفاق علی حکم الطلاق تالیف لکھوتری بحوالہ مغنی لابن قدامہ

Marfat.com

مسلم کا اختلاف ہے۔ امام بخاری نے اسے اپنی کتاب میں اس لیے نقل نہیں کیا کہ اس سلسلہ کی دوسری تمام روایتیں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف مروی ہیں[1]۔ ابن رجب لکھتے ہیں کہ اہلِ مکہ طاؤس کی شاذ روایتوں پر نکیر کیا کرتے تھے، پھر لکھتے ہیں:

متی اجمع الامۃ علی اطراح العمل بحدیث وجب اطراحہ وترک العمل بہ

(املاء ص ۵۳۲)

جب پوری امت نے ایک حدیث پر عمل کرنا بھی چھوڑ دیا ہے تو ضروری ہے کہ اس کو بحیث میں لانا اور عمل کرنا بھی چھوڑ دینا چاہیئے۔ (اس لیے کہ اس کا کوئی سبب ہوگا)

اوپر جمہور اُمت کی رائے نقل کی جا چکی ہے، چند رائیں اور ملاحظہ ہوں۔

ابنِ رجب لکھتے ہیں:

لا نعلم احدا من الامۃ خالف مخالفۃ ظاھرۃ ولا حکما ولا قضاء ولا علما ولا افتاء ولم یقع ذالک الا من نفر یسیر جدا وقد انکر علیھم من عاصرھم غایۃ الانکار کان اکثرھم یستخفی بذالک ولا یظھرہ فکیف یکون اجماع الامۃ علی اخفاء دین اللہ۔

ایک مختصر سی جماعت کے علاوہ ہم کو علم نہیں کہ اس کی ظاہری طور پر مخالفت کسی نے کی ہے اور نہ اس کے خلاف کسی حکم اور فیصلہ کا ہمیں علم ہے اور نہ کوئی علم و افتاء اس کے خلاف ہے۔ جن چند آدمیوں نے اس مسئلہ میں جمہور امت کے خلاف رائے دی ہے، ان پر ان کے معاصر علماء نے بڑی شدید نکیر کی ہے اور ان کی اکثریت خود اس مسئلہ میں اپنی رائے کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی تھی بلکہ اسے چھپاتی تھی۔ پھر دین کے بارے

---

[1] بیہقی ج ۷، ص ۳۳۷

Marfat.com

میں ایسی رائے جو چھپائی جائے اس پر اجماع
کیسے ممکن ہے۔

یہ آخری جملہ کہ "اس صورت میں اجماع کیسے ممکن ہے"، حافظ ابن قیم کا جواب ہے جنہوں نے لکھا ہے کہ طلاقِ ثلاثہ کو ایک سمجھنے پر "اجماع" ہے۔

جب پوری امت اور خود ابن عباسؓ کا تعامل اس کے خلاف ہے تو اس صورت میں ان کی اس ایک روایت کو دیکھا جائے یا ان کے تعامل کو دیکھا جائے۔ اگر ان کے تعامل کو دیکھا جائے تو یہ گمان کیسے کیا جا سکتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی ہی روایت میں عہدِ نبوی کا تعامل تو کچھ بتائیں اور فتویٰ اور دیں اور فیصلہ کچھ اور کریں۔ ابن منذر نے بالکل صحیح کہا ہے:

فتغیر جائز ان یظن بابن عباس ان یحفظ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً ثم یفتی بخلافہ۔	یہ گمان کرنا جائز نہیں ہے کہ حضرت ابن عباس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت کریں اور پھر فتویٰ اس کے خلاف دیں۔

(معالم السنن ج ۲ ص ۲۳۷)

پھر یہ سوچئے کہ عہدِ نبوی کے تعامل کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاقِ ثلاثہ کے نفاذ کا فیصلہ جب پہلی بار کیا ہوگا تو یہ ناممکن تھا کہ صحابہ اس پر خاموش رہ جاتے جبکہ وہ معمولی معمولی باتوں پر حضرت عمرؓ سے اختلاف کرتے تھے اور اس پر آخر وقت تک قائم رہتے تھے۔ ایسی صورت میں یہ بات سوچی نہیں جا سکتی تھی، کہ وہ سنتِ نبوی میں اتنا بڑا تغیر کر دیں اور کوئی آواز نہ اٹھے۔ اوپر متعدد مسائل کا ذکر آ چکا ہے۔ مثلاً قدک کا مسئلہ، سوادِ عراق کی زمینوں کی تقسیم کا معاملہ وغیرہ ان میں صحابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شدید اختلاف کیا اور بعض صحابہ آخر وقت تک اس پر جمے رہے، حالانکہ ان میں سے کوئی فیصلہ کتاب اللہ اور سنتِ نبوی کے خلاف نہیں تھا۔

Marfat.com

مگر غلط فہمی کی بنا پر وہ اسے خلاف سمجھ بیٹھے تھے۔ اس لیے وہ اپنی اگلے پرقائم رہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ تقریباً پچاس مسئلوں میں تمام صحابہ سے منفرد ہیں۔ بہت سے مسائل میں انہوں نے شک پیدا کیا اور انکے مخالف اقوال نے ان میں مزید شبہ پیدا کیا اور اکثر مسائل میں تو ان کے رجوع کرلینے کی روایتیں بھی ہیں، ان ہی مشکوک مسائل میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی ہے۔[1]

شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ جن مسائل میں مجتہدین امت نے ان سے اتفاق نہیں کیا، ان میں خود ان کے مختلف اقوال ہیں، اس لیے وہ مسائل مشتبہ ہوجاتے ہیں اور پھر انہوں نے بہت سے مسائل میں رجوع بھی کرلیا ہے اور طلاق ثلاثہ ان ہی مسائل میں ہے، جن میں ان کی مختلف رائیں ہیں، اس لیے اس میں بھی ان کی رائے مشتبہ ہے۔

اس تفصیل کے بعد اس روایت کے بارے میں کسی توجیہ کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی لیکن چونکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس روایت کو جگہ دی ہے، اس لیے بالکلیہ اس روایت کو موضوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔ علمائے محدثین نے اس روایت کو دوسری روایات کے مطابق بنانے کے لیے متعدد توجیہیں کی ہیں۔ ان میں سے دو تین توجیہیں نقل کی جاتی ہیں۔

اس روایت کو رکانہ کی روایت کی طرح طلاق ثلاثہ کے بجائے طلاق "البتہ" پر محمول کیا جائے، اس کے لیے دو قرینے موجود ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے رکانہ کے طلاق کا جو واقعہ منقول ہے اس میں لفظ "البتہ" ہے ایسی صورت میں ان کی بقیہ دونوں روایتوں سے کوئی تعارض نہیں رہتا اور دوسری روایت سے بھی انطباق ہوجاتا ہے۔

۲۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ محاورہ میں "البتہ" اور ثلاث دونوں کو ایک معنی میں بولتے تھے، اس لیے ممکن ہے کہ راوی نے البتہ کو ثلث پر محمول کرکے روایت کردی ہو چنانچہ

---

[1] ازالۃ الخفا، ج ۲ ص ۸۳

Marfat.com

امام بخاری نے باب تو قائم کیا ہے طلاقِ ثلاثہ کا، اور اس میں روایتیں دونوں طرح کی لائے ہیں۔ نسائی نے بھی البتہ کو ثلاث پر محمول کیا ہے اور اسی بنا پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے مطلقاً البتہ کا لفظ کہا ہو اور نیت ایک کی نہ کی ہو تو اس کی بیوی کو تین طلاق بائن پڑ جائے گی۔

اس توجیہ کی روشنی میں اس روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ عہدِ نبوی میں لوگوں سے اس صورت میں ان کی نیت دریافت کی جاتی تھی مگر بعد میں جب اس میں بے احتیاطی شروع ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نیت کا سوال کیے بغیر اس کو تین طلاق قرار دیا۔ چنانچہ ایک شخص نے حیض کی حالت میں لفظ البتہ سے طلاق دی، تو آپ نے اس کی بیوی کو مطلقہ قرار دے دیا۔ انہوں نے ایسا سیاستہً اور مصلحتاً نہیں کیا بلکہ ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد موجود تھا، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے کہ آپ نے لفظ البتہ یعنی قطعی طلاق دینے والوں کے لیے فرمایا تھا کہ جو شخص لفظ البتہ سے طلاق دے گا، ہم اس کو تین طلاق قرار دیں گے۔

دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اس روایت میں طلاق ثلاثہ سے مراد عدد کی تصریح نہیں[1]، بلکہ الفاظ کی تکرار مراد ہے[2]۔ مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے یوں کہا کہ تجھ کو طلاق، طلاق، طلاق۔ اب اس سے اس کی مراد تین طلاق بھی ہو سکتی ہے اور اس سے مقصود تاکید بھی ہو سکتی ہے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دینے والے سے دریافت کر لیا کرتے

---

[1] عام طور پر محدثین اتنی ہی توجیہ کرتے ہیں، مگر راقم نے اپنی علمی کم مائگی کے باوجود آگے اس میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا ہے امید ہے کہ اہلِ علم اس سلسلہ میں اپنی آراء سے مطلع کریں گے۔

[2] یہ توجیہ ابوالعباس ابن شریح کی طرف منسوب ہے امام شعبی کی بھی یہی رائے ہے اس توجیہ کے لیے معالم السنن خطابی ج ۲ فتح الباری ج ۲ سنن بیہقی، نووی وغیرہ دیکھئے۔

تھے کہ اس سے اس کی کیا مراد ہے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب باوجود تنبیہ کے لوگ اس طریقۂ طلاق سے باز نہیں آتے تھے، پھر عہدِ نبوی کی طرح لوگوں میں پہلی سی سلامت روی اور سچائی بھی باقی نہیں رہ گئی تھی اس لیے محض لوگوں کے کہنے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا بلکہ خاوند ہی کے حلف پر جو کچھ پیش آئے اس پر غور کرنا زیادہ مناسب تھا۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ ناگواری کے باوجود ایک مجلس کی طلاق ثلاثہ کو صرف نافذ فرما دیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکرارِ الفاظ کی صورت کو بھی اسی پر محمول کیا۔ پھر آپؐ کا وہ ارشاد بھی حضرت عمرؓ کے پیشِ نظر تھا کہ طلاق کے معاملہ کو ہر صورت سنجیدگی پر محمول کیا جائے گا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ منشائے نبوی کے عین مطابق کیا۔ انہوں نے کسی بدعت کا ارتکاب نہیں کیا، جیسا کہ بعض کم سواد کہتے ہیں۔

۳- تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ تین طلاق دینے میں جلد باز نہیں تھے بلکہ عام طور پر ایک مجلس میں ایک ہی طلاق دیا کرتے تھے۔ تین طلاق ایک مجلس میں کم ہی دیا کرتے تھے[1]، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ دھڑلے سے ایک مجلس میں تین طلاق دینے لگے تو انہوں نے اس کو باقی عدد نافذ کر دیا۔ اس صورت میں بھی حضرت عمرؓ نے کوئی نئی بات نہیں کی" بلکہ جو حکم کہ عہدِ نبوی میں شاذ و نادر دیا جاتا تھا اس لیے اس کی ضرورت محدود تھی، اب اس کی ضرورت عام ہوئی تو اس حکم کو بھی عام کر دیا گیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے الفاظ ہیں کہ:

"جس چیز میں لوگوں کو صبر اور انتظار کا حکم دیا گیا تھا، اس میں لوگ جلدی

---

[1] چنانچہ عہدِ نبوی میں طلاق کے درجنوں واقعے پیش آئے اور ان سب میں طہر میں طلاق دینے کا ذکر ہے، صرف دو چار واقعے ایسے ملیں گے تین طلاق دینے کے ملیں گے۔

Marfat.com

کرنے لگے:

تو گویا اس روایت میں حکم کی تبدیلی کا نہیں بلکہ اختلافِ احوال کا ذکر ہے۔

ان توجیہات کے علاوہ راقم کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ جس طرح عہدِ نبوی میں نظم حکومت کی باقاعدہ تنظیم نہیں ہوئی تھی اور نہ مختلف عہدوں کی تقسیم ہوئی تھی، بلکہ آپؐ ہی کی ذاتِ مبارک حاکم بھی تھی، قاضی بھی اور محتسب بھی، لیکن بعد میں ضرورت کے تحت آپؐ نے بھی اور آپؐ کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مختلف خدمتوں پر مختلف افراد کو مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس ضرورت نے اور وسعت اختیار کی تو کچھ کام کے لیے الگ الگ شعبے اور عہدے مقرر ہوئے۔ مثلاً عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی میں عہدۂ قضا اور محکمۂ احتساب دونوں ایک ہی شخص کے سپرد ہوتے تھے مگر عہدِ فاروقی میں زیادہ تر مقامات پر یہ دونوں کام الگ الگ اشخاص کے سپرد کیے گئے اور بعض جگہ ایک ہی آدمی کے سپرد رہے۔ بالکل یہی حال بہت سے سیاسی معاشی مسائل کا تھا کہ عہدِ نبوی میں لوگ جس صحابی سے چاہتے تھے کوئی مسئلہ دریافت کر لیتے تھے، اور وہ کتاب و سنت کی روشنی میں جو جواب دیتے تھے اس کے مطابق عمل کر لیا کرتے تھے، اس کے لیے باقاعدہ کوئی نظام نہیں تھا اور نہ اشخاص مقرر تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب انتظامی شعبوں کی تنظیم و تقسیم ہوئی تو انہوں نے اس پر بھی پابندی عاید کی اور اس کے لیے برابر صوبوں کے ذمہ داروں اور قاضیوں کو ہدایات جاری کرتے تھے تاکہ ہر شخص اس ذمہ داری کو نہ سنبھال لے۔ بلکہ وہی لوگ مسائل میں رائیں دیں جو کتاب و سنت کی تشریح کے اہل ہیں، چنانچہ جابیہ کے مشہور خطبہ میں انہوں نے اعلان کیا تھا کہ:

"جو شخص قرآن سیکھنا چاہے وہ اُبیؓ کے پاس جائے، جو وراثت کے مسائل دریافت کرنا چاہے وہ زید کے پاس جائے اور جو فقہ کے

Marfat.com

مسائل دریافت کرنا چاہے وہ معاذ کے پاس جائے"۔

اسی طرح انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو جو ہدایات دی تھیں وہ اسی قبیل کی چیز تھی۔ اس کے علاوہ جس مسئلہ میں ان کو ذرہ بھر اختلاف کا خوف ہوتا تھا اس کے لیے کتاب و سنت کی ہدایت اور صحابہ کے مشوروں کی روشنی میں ایک قاعدہ اور ضابطہ مقرر کر دیتے تھے۔ چنانچہ غسل جنابت، تکبیر جنازہ کی تعیین، شرابی کی سزا وغیرہ کا انہوں نے ایک قاعدہ مقرر کیا۔ اس کے علاوہ وہ بہت سے مسائل میں بھی انہوں نے ضابطہ مقرر کیا۔

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کے سلسلہ میں جو بے احتیاطی عہد نبوی اور عہد صدیقی میں خال خال کی جاتی تھی وہ عہد فاروقی میں عام ہو گئی اور اسی کے ساتھ عہد نبوت میں طلاق کے سلسلہ میں جو تعبیریں کیے گئے ان کا منشا نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں میں کچھ غلط فہمی بھی تھی۔ چنانچہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ایک شخص نے بیوی کو حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور پھر حضرت عمرؓ سے اس نے اس کا حکم دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم اب رجعت نہیں کر سکتے تو اس نے کہا کہ ابن عمرؓ نے تو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجعت کا حکم دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں انہوں نے اپنا حق باقی رکھا تھا اور تم نے ضائع کر دیا۔

اسی طرح مباشرت سے پہلے طلاق دینے کا رواج عہد نبوی اور عہد صدیقی میں بالکل نہیں تھا۔[1]

---

[1] چنانچہ عبداللہ بن زبیرؓ ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ کے سامنے پہلی یا تیسری طلاق کا معاملہ پیش آیا تو ابن عباسؓ نے ابوہریرہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "جاء تلک المعضلة افتہ یا اباھریرۃ" ایک مشکل مسئلہ پیش آیا ہے تو ابوہریرہؓ آپ ہی جواب دیجئے۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس سلسلہ میں بھی بے احتیاطی شروع ہو گئی تھی اور لوگ ایک مجلس کی تین طلاق دینے لگے تھے، چنانچہ ان کے سامنے جب اس طرح کا معاملہ پیش آتا تھا تو وہ مرد کو عورت سے جدا بھی کر دیتے تھے اور اسی کے ساتھ سزا بھی دیتے تھے۔ بیہقی میں ہے کہ :

وکان اذا اتی بہ اوجعہ — جب ان کے سامنے غیر مدخولہ کی طلاق کا معاملہ پیش ہوتا تھا تو سزا بھی دیتے تھے۔

(ج ۷، ص ۳۳۴)

ان وجوہ کی بنا پر انہوں نے اس سلسلہ میں امراء اور قضاۃ کو مخصوص ہدایات بھیجی ہوں گی اور اس پر باقاعدہ عملدرآمد کرایا ہوگا، تاکہ کتاب وسنت کے مقرر کردہ حدود کے مطابق لوگ طلاق دیں اور عہد نبوی کے فیصلوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی غلط فہمی باقی نہ رہے چنانچہ ابونعیم کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو دوسری ہدایات کے ساتھ یہ ہدایت بھی بھیجی کہ :

من قال انت طالق ثلاثا فہی ثلث — جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ کو تین طلاقیں ہیں تو یہ تین ہو جائیں گی۔

اس میں مدخولہ اور غیر مدخولہ کی کوئی تفریق نہیں کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عمرؓ نے عہد نبوی کے فیصلہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی، بلکہ باقاعدہ اسے دستوری شکل دے کر اس کو نافذ کر دیا۔ چنانچہ اس روایت کے الفاظ سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ "تا مضاہ علیہم" تو انہوں نے لوگوں پر تین طلاق نافذ کر دیا۔

امضا ماضی ہی کے کسی فیصلہ کو نافذ کرنے کو کہتے ہیں اور یہ نفاذ بالکل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کے مطابق تھا اور اس میں آپ کا کوئی دوسرا معمول تھا ہی نہیں۔ اسی لیے تمام صحابہ، تابعین اور خاص طور پر ائمہ اربعہ اس پر متفق رہے، ورنہ جن معاملات میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مختلف تھا اس میں حضرت عمرؓ

کے کسی خاص معمول کو اختیار کرتے اور اس کے نفاذ کو عام صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ سب نے متفقہ طور پر تسلیم نہیں کیا ہے۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ وہ کوئی نیا فیصلہ نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایک معمول پر بھی لوگوں کو لانا چاہتے تھے یا جب کبھی کوئی نیا معاملہ پیش آتا تھا اور اس کا کرنا ضروری ہوتا تھا تو اس طرح کے تمام مواقع پر وہ صحابہ سے مشورہ لیتے تھے، کتاب وسنت پر بار بار غور کرتے تھے۔ چنانچہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ سوادِ عراق کی زمین کی تقسیم، غسلِ جنابت وغیرہ میں انہوں نے مشورہ کیا حتیٰ کہ بعض مسئلوں میں وہ ایک فیصلہ کرتے، پھر اس سے رجوع کر لیتے تھے، چنانچہ وہ کلالہ کے مسئلہ میں زندگی بھر پریشان رہے۔ قسطلانی نے دادا کی وراثت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف رائیں قائم کیں، عین وفات کے وقت صحابہ سے فرمایا کہ میں نے اس سلسلہ میں ایک تحریر لکھی تھی پھر اس کو مٹا دیا آپ لوگ خود فیصلہ کریں دوسرے مسائل میں بھی ان کا یہی حال تھا۔ اس صورت میں یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ایک ایسے مسئلہ کے بارے میں جو عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی دونوں میں متفق علیہ رہا ہو فیصلہ کرتے ہیں اور نہ تو صحابہ سے مشورہ کرتے ہیں اور نہ کسی صحابی کا ان سے اختلاف ہی ثابت ہوتا ہے۔ یہ بات کسی طرح ذہن میں نہیں آتی۔ پھر یہ بات بھی عجیب ہے کہ جس معاملہ کی صورت عہدِ نبوی سے عہدِ صدیقی اور ابتدائے عہدِ فاروقی تک کچھ رہی ہو اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تبدیلی کر رہے ہوں اور اس کا علم عام صحابہ کو نہ ہو، حتیٰ کہ حضرت ابن عباس رضؓ کو یہ بات اس وقت یاد پڑی، جب ابو صہبا اس کو یاد دلاتے ہیں۔ ان پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اس مسئلہ پر غور کیا جائے تو امید ہے کہ یہ مسئلہ بڑی آسانی سے ذہن نشین ہو جائے گا۔

آخر میں یہ بات اور نوٹ کر لینے کے لائق ہے، وہ یہ کہ حافظ ابن قیم نے یہ

Marfat.com

لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ میں ندامت ہوئی اور انہوں نے اس سے رجوع کر لیا۔ یہ روایت انہوں نے خالد بن یزید کے حوالے سے نقل کی ہے، جس کے بارے میں یحیی بن معین کی رائے ہے کہ:

"اس شخص نے محض اپنے باپ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صحابہ پر بھی جھوٹ بولا ہے"۔

ابن معین فرماتے تھے کہ شام میں ایک کتاب ایسی ہے جسے دفن کر دینا چاہیئے وہ ہے خالد بن یزید کی کتاب "ندیات"۔ ابن عبدروس کے سامنے جب یہ کتاب پیش کی گئی تو اسے پھاڑ کر اس کا کاغذ لوگوں کے استعمال کرنے کو دے دیا۔

پھر خالد کے والد یزید نے یہی نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا بلکہ وہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ تعجب ہے کہ حافظ ابن قیم نے ایسی روایت پر اعتماد کیسے کیا اور حضرت عمرؓ کی طرف یہ بات کیسے منسوب کر دی۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابہ۔

بیس رکعت باجماعت تراویح

اس سلسلہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ عہد نبوی اور عہد صدیقی میں آٹھ رکعتیں تراویح پڑھی جاتی تھیں مگر حضرت عمر رضؓ نے اسے بیس رکعت کر دیا۔ اس موضوع پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن سلسلۂ اولیاتِ عمر کی ایک کڑی یہ بھی ہے اس لیے مختصراً چند باتیں عرض کر دی جاتی ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ مسئلہ نہ تو کسی چیز کی تحریم و تحلیل کا ہے اور نہ اس کا تعلق فرائضِ شرعی سے ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ سنتِ مؤکدہ

ہے۔ اس لیے اس کو ان مسائل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جن کا تعلق حرام و حلال یا فرائض سے ہے۔

دوسری بات یہ ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ جتنی نفل اور سنت نمازیں آپ نے پڑھی ہیں، ان میں آپ کا معمول یکساں نہیں رہا ہے اور ایسا کرنا اس لیے ضروری تھا کہ فرض و واجب نمازوں مؤکدہ اور غیر مؤکدہ سنتوں میں فرق ہو جائے۔ مثال کے طور پر نماز تہجد کو لیجئے نمازِ تہجد آپ نے ہمیشہ مزاولت اور مداومت سے پڑھی، مگر اس کی رکعتوں میں ہمیشہ آپ کمی بیشی فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح نمازِ تراویح یعنی رمضان میں نوافل پڑھنے کے سلسلہ میں بھی آپ کا طرزِ عمل یکساں نہیں تھا۔ کثرت سے حدیثوں میں ذکر ہے کہ آپ دوسرے زمانہ میں عبادت کرنے میں جتنی محنت و مشقت اٹھاتے تھے، اس سے بہت زیادہ رمضان میں فرماتے تھے۔ آپ کے ساتھ تمام صحابہ کا معمول بھی یہی تھا کہ جس سے جس قدر ہو سکتا تھا وہ نفل پڑھتا تھا۔ دوسرے زمانہ میں آپؐ یا صحابہ کرام جو نفلیں پڑھتے تھے وہ عموماً انفرادی طور پر اپنے اپنے گھروں میں پڑھتے تھے مگر رمضان میں صحابہ میں سے بعض حضرات مسجد میں بھی آکر انفرادی طور پر بھی نفل پڑھتے تھے اور بعض حضرات باجماعت بھی، گو یہ جماعت فرض نمازوں کی طرح نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ دو دو، چار چار آدمی مل کر پڑھ لیتے تھے یعنی بیک وقت کئی کئی جماعتیں ہوتی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیفیت دیکھی تو ایک سال آپ خود منفسِ نفیس مسجد میں تشریف لائے اور تین یا چار دن تک صحابہ کے ساتھ با جماعت نمازِ تراویح ادا فرمائی۔ تیسرے دن اس نماز میں صحابہ کا اتنا ہجوم ہوا کہ مسجدِ نبوی میں جگہ نہیں تھی۔ آپ نے جب صحابہ کے ذوق و شوق

Marfat.com

کی یہ کیفیت دیکھی تو آپؐ نے مسجد میں آنا موقوف کر دیا۔ جب صحابہ نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ "مجھے خوف ہے کہ یہ ذوق و شوق دیکھ کر اللہ تعالیٰ اسے تمہارے اوپر فرض نہ کر دے اور تم اس ذوق و شوق کو باقی نہ رکھ سکو اور ایک فرض کے تارک بن کر گناہ کا بوجھ اپنے سر پر لاد لو"۔

بعض روایات میں ہے کہ "پہلی رات کو آپ نے ایک پہر تک، دوسری رات کو دو پہر تک اور تیسری یا چوتھی رات کو اتنی دیر تک نماز تراویح پڑھی کہ صحابہ کو خوف ہونے لگا کہ کہیں سحری نہ چلی جائے۔

غرض یہ کہ آپ سے جتنی روایات مروی ہیں، ان سب میں چند باتیں مشترک ہیں۔ رمضان میں کثرت سے نوافل پڑھنا، صحابہ کا متفرق جماعتوں میں تراویح پڑھنا۔ تین یا چار دن تک مسجد میں آپ کا خود آکر باجماعت نماز تراویح پڑھنا، زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھنا۔ اب روایتوں میں جو کچھ اختلاف ہے وہ تعداد رکعات کی تعیین میں ہے۔ تو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ فرض نمازوں اور فرض کے ساتھ جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں، ان کے علاوہ دوسری تمام نفل نمازوں میں آپ کا طرزِ عمل مختلف ہوتا تھا، ان میں نہ تو آپ خود کوئی مقررہ تعداد ادا فرماتے تھے اور نہ صحابہ کو اس کا حکم فرماتے تھے، چنانچہ یہی بات تراویح میں بھی تھی۔ آپ نے کسی دن بھی پہلے سے کچھ رکعتیں متعین کر کے نفلیں نہیں پڑھیں۔ نہ تو اپنی انفرادی تراویح میں اور نہ اس تراویح میں جو آپ نے تین دن تک مسجد میں ادا فرمائی۔ اسی بنا پر صحابہ سے تعداد رکعات کے سلسلہ میں مختلف روایتیں مروی ہیں۔ کسی میں آٹھ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے، کسی میں اٹھارہ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے، کسی میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے، کسی میں ۳۶ رکعت تراویح

Marfat.com

اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے اور کسی میں ۳۸ رکعت تراویح کا ذکر ہے اور تین رکعت وتر کا۔ غرض یہ کہ صحابہ کرام میں جن صاحب نے جو تعداد زیادہ صحیح سمجھی یا انہوں نے جتنی رکعتیں پڑھتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اتنی بیان کر دی، یا جس میں انہوں نے امت کے لیے سہولت دیکھی اس کے مطابق فتویٰ دیا اور ان میں سے کوئی فتویٰ سنت نبوی کے خلاف نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے جس طرح بے شمار امور میں نظم و ضبط قائم کیا، اسی طرح تراویح میں بھی ایک نظم قائم کیا۔ یعنی انہوں نے حکم دیا کہ لوگ ایک امام کے پیچھے باقاعدہ جماعت سے نماز تراویح پڑھیں، تعداد رکعات میں آپ نے ۸ اور ۳۸ کے درمیان بیچ کی تعداد کو اختیار فرمایا، یعنی ۲۰ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر۔

اوپر سنتِ نبوی کی جو تفصیل کی گئی ہے، اس کی روشنی میں اب حضرت عمرؓ کے اس طرزِ عمل کو ملاحظہ کیجئے۔ اس میں کون سی چیز ایسی ہے جو ان کی ایجاد کہی جا سکتی ہے۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے پورے مہینے نفلی نمازیں نہیں پڑھتے تھے؟ کیا آپ کے علم میں صحابہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں مسجد میں تراویح کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ کیا خود آپ نے تین دن صحابہ کے ساتھ باجماعت نماز تراویح نہیں ادا فرمائی، کیا آپ اور صحابہ اس نماز میں زیادہ قرآن نہیں پڑھتے تھے، کیا آپ اور صحابہ انتہائی ذوق و شوق سے یہ نماز ادا نہیں فرماتے تھے، کیا آپ کے ارشاد سے یہ معلوم نہیں ہوتا، کہ اگر آپ کو فرض ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ باجماعت نماز تراویح کو برابر جاری رکھتے۔

غرض یہ کہ جس حیثیت سے بھی دیکھا جائے، حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل بالکل سنتِ نبوی اور منشائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے جو کچھ کیا، وہ یہ کہ اس کو مہینہ بھر باقاعدہ جماعت کے ساتھ ضروری قرار دیا،

Marfat.com

اور یہ بھی حکم دیا کہ پورا قرآن اس میں ختم کیا جائے۔ یہ دونوں باتیں بھی منشائے نبوی کے خلاف نہیں ہیں۔ مہینہ بھر آپ سے رمضان میں نفل پڑھنا بھی ثابت ہے اور قرآن کا پڑھنا بھی۔ آپ رمضان میں صرف نفل نمازوں ہی میں قرآن نہیں پڑھتے تھے بلکہ اس خیال سے کہ قرآن کا کوئی لفظ حافظہ سے محو نہ ہو گیا ہو، ہر سال حضرت جبرئیلؑ سے پورے قرآن کا دَور بھی فرمایا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ آپ ہر سال رمضان میں ایک بار حضرت جبرئیل علیہ السلام سے قرآن کو دہرایا کرتے تھے لیکن جس سال آپ کا وصال ہوا، آپ نے اس سال ان سے دو بار دَور فرمایا تاکہ قرآن کا ایک ایک لفظ اُمت کو بے کم و کاست آپ سکھا اور پڑھا جائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت تراویح کو پسند فرمایا تھا مگر جماعت اس لیے ترک فرما دی تھی کہ یہ فرض نہ ہو جائے۔ آپؐ کے وصال کے بعد وحی کا سلسلہ چونکہ منقطع ہو گیا تھا اور اب اس کے فرض ہو جانے کا خطرہ باقی نہیں تھا، اس لیے حضرت عمرؓ نے آپؐ کے منشا کی تکمیل کر دی۔ جب آپ سے پورے مہینہ نفل میں قرآن پڑھنا بھی ثابت ہے اور اس کا یاد کرنا اور دَور کرنا بھی، تو ان دونوں باتوں کے پیشِ نظر اگر حضرت عمرؓ نے پورے مہینے میں قرآن سننے اور سنانے کا حکم دیا تو اس میں نئی بات کون سی تھی۔ جس طرح آپ نے قرآن کے دَور کے لیے اس مبارک مہینہ کو اختیار فرمایا تھا، اسی طرح حضرت عمرؓ نے اس کے یاد رکھنے کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ اس کو تراویح میں سنایا جائے، تاکہ سنانے والا پوری توجہ سے سُنا سکے اور سننے والے پوری توجہ سے سن سکیں، کیونکہ نماز میں اس کا موقع زیادہ ہوتا ہے، اس طرح دونوں کو قرآن کے یاد کرنے میں مدد ملے گی، اور واقعہ یہ ہے کہ اگر تراویح میں پورے قرآن سننے کا رواج ختم ہو جائے تو مشکل سے دو چار حافظ ملیں گے۔

Marfat.com

آپ نے ایسے حکم سبھی یہ ایک اچھی بات اس لیے کہ نہ ہوئی کے بعد
بات تدوین کی تھی سب سے پہلے آپ ہی نے فرمایا تھا اور اس لیے بھی یہ اچھی
بات تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تدوین کے علاوہ پہلے قرآن کا دوسرے فرمایا رہے
تھے اور وقت ہم نے اس کو تدوین میں پڑھنے کا حکم فرمایا۔ کوئی آپ کے عزیز عمل
کا کوئی جزء ایسا نہیں ہے جس کا ثبوت سنتِ نبوی سے نہ مل جاتا ہو۔ آپ نے
بس اتنا کیا کہ ان منتشر اجزاء کو جوڑ کر ان میں ایک اجتماعیت پیدا کر دی اور یہ
بھی بہت اس کو من وعن مان لیا۔ اگر یہ بالکل نئی بات ہوتی تو صحابہ کی
اکثریت کبھی بھی اسے نہ مانتی۔ چونکہ اس عمل کا تعلق فرائض سے نہیں تھا اس
لیے اس حکم کے نافذ کرنے کے بعد آپ نے اس کے لیے سب کو مجبور نہیں کیا۔
بہت سے لوگ اب بھی کچھ لوگ کم و بیش نماز تراویح پڑھتے تھے اور کوئی کسی پر
نکیر نہیں کرتا تھا کیونکہ تمام صحابہ کا طرزِ عمل سنتِ نبوی کے مطابق تھا۔

شاعری کی اصلاح

مولانا جعفر صاحب تھانیسری نے اویسات عمرؓ
کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی میں مسلمان شعراء کو ہجو و تشبیب
(عشقیہ اشعار) کہنے کی پوری آزادی تھی اور وہ کہتے بھی تھے مگر حضرت
عمرؓ نے ان کی اس آزادی پر پابندی لگا دی۔ یعنی ان کو ہجو و تشبیب
کہنے سے روک دیا۔

اگر یہ بات کوئی ایسا آدمی کہتا جس کی نظر براہ راست قرآن و حدیث
پر نہ ہوتی تو یہ بات باعثِ حیرت و استعجاب ہوتی اور تب اس کے جواب
ہی کی ضرورت تھی۔ لیکن جس نے عالم ہونے کی باقاعدہ سندِ فراغت حاصل
کی ہو، اس کے قلم و زبان سے اگر کوئی غیر محقق اور بے دلیل بات نکلتی ہے

Marfat.com

توجیہ و استعجاب کے ساتھ افسوس بھی ہوتا ہے اور جواب دینے کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

میں نے کتاب تو نہیں دیکھی، مگر اشتہار پر نظر پڑی ہے کہ مولانا نے حدیثِ نبوی پر یا فن السنہ کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے، اس سلسلہ میں تو مولانا نے احادیث کی متداول کتابوں کا سرسری نہیں بلکہ تحقیقی اور غائر مطالعہ کیا ہوگا، مگر کیا مولانا کوئی ایک صحیح حدیثِ نبوی بھی ایسی پیش کر سکتے ہیں جس میں بجو و تشبیب کو جانے دیجئے، نفسِ شاعری ہی کی مطلق العنان اجازت نکلتی ہو؟ اور پھر حضرت حسانؓ، عبداللہ بن رواحہؓ اور کعب بن مالکؓ کی شاعری سے اس پر استدلال کرنا تو مزید ستم ظریفی ہے، کیا دربارِ نبوی کے یہ شعراء اسی طرح اجنبی عورتوں کا نام لے لے کر یا بغیر نام لیے غیر اخلاقی تشبیب کہتے تھے جس طرح امراء القیس، زہیر اور دوسرے جاہلی شعراء کہتے تھے، کیا ان کی جو گوئی بھی اسی انداز و اسلوب کی ہوتی تھی، جس طرح حطیہ اور تابطہ شرا جو کہتے تھے۔ کیا جاہلی شعرا کی طرح مسلمان شعراء کی شاعری اور شعر خوانی بھی اتنی عریاں ہوتی تھی کہ عورتوں کا باہر نکلنا دشوار ہو گیا تھا؟

اس مسئلہ میں قرآن و سنت سے تھوڑی سی تفصیل کر دی جاتی ہے جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ عین کتاب و سنت کے مطابق کیا اور انہیں یہی کرنا چاہیئے تھا۔

شاعری کی جو بھی تعریف کی جائے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ شاعری خالص جذباتی چیز ہے جس سے عمل و کردار بنانے کا تو نہیں البتہ اچھے یا برے جذبات کو تسکین دینے، یا ان کو برانگیختہ کرنے کا کام لیا جا سکتا ہے، چونکہ اچھے جذبات کو تسکین دینے یا ان کو ابھارنے کی انسانی زندگی میں کبھی کبھار ضرورت پیش آجاتی ہے

Marfat.com

اس لیے اسلام نے نفسِ شاعری کو حرام تو قرار نہیں دیا لیکن اس نے اس مشغلہ کی بہت زیادہ ہمت افزائی نہیں کی۔ جاہلیت میں عربوں کے یہاں شاعر ہونا سب سے زیادہ فخر و مباہات کی بات سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ قرآن کی فصاحت و بلاغت دیکھ کر ان کے ذہن میں اس سے زیادہ کوئی اونچی بات نہیں آتی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ ملکہ حاصل ہے مگر قرآن نے نہایت ہی صراحت و وضاحت سے اس کی تردید کی۔ اگر واقعی یہ کوئی باعث عزت و افتخار شے ہوتی تو قرآن اتنی صراحت سے آپؐ کے دامن عصمت سے یہ داغ نہ دھوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے کہا جاتا ہے کہ:

وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ۔ (یٰسین)	ہم نے نبی کو شاعری کی تعلیم نہیں دی اور نہ یہ چیز نبوت کے شایانِ شان تھی۔

پھر قرآن نے عام شعراء کی زندگی کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ انتہائی نفرت و حقارت سے۔

والشعراء یتبعھم الغاوون الم ترانھم فی کل وادٍ یھیمون وانھم یقولون مالا یفعلون۔	شعراء کی پیروی وہی لوگ کرتے ہیں جو خود بے راہ رو ہوتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ خیالات کی ہر وادی میں مارے پھرتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو قابلِ عمل نہیں ہوتیں۔

البتہ جو ان صفات کے ساتھ شاعری کرتے ہیں، ان کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے:

الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت وذکروا اللہ کثیراً وانتصروا۔	مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اپنی شاعری کے ذریعہ

من بعد ما ظلموا (شعراء)

خدا کی یاد تازہ کی، اور کسی ظلم کا جواب دیا۔

تو ایسی شاعری میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جو شاعری بے راہ روی پیدا کرنے، بُرے جذبات کو ابھارنے اور قول و عمل میں تضاد پیدا کرنے کا سبب ہو وہ ناپسندیدہ ہے اور جو شاعری پسندیدہ ہے اس کے لیے تین قیدیں لگی ہوئی ہیں۔

یعنی خود شاعر بھی یقین، عمل اور اخلاق و کردار کی دولت سے مالا مال ہو اور اس کی شاعری بھی خدا کی یاد تازہ کرنے کا سبب ہو اور اگر کبھی اس کو اپنی زبان سے ہجو کرنے یا ناروا بات نکالنے کی ضرورت پیش آ ہی جائے تو پھر اس کی اجازت اس وقت دی جا سکتی ہے جبکہ اس کے اوپر کوئی ظلم ہوا ہو، یا اس کی عزت و آبرو پر حملہ کیا گیا ہو۔

دوسری جگہ قرآن میں ہے:

لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم۔

اللہ تعالیٰ بُری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتا، لیکن جس پر ظلم ہوا ہو (یعنی وہ اپنی زبان پر کوئی ایسی بات لائے تو معاف ہے)

اور اس میں بھی حدِ اعتدال سے باہر نکل جانا دوسرا ظلم ہوگا۔ اس لیے آیت کے آخر میں تنبیہ کر دی گئی ہے کہ خدا سننے والا اور جاننے والا ہے کہ تم بھی اس کے ساتھ ظلم تو نہیں کر رہے ہو۔ ان قرآنی ہدایات کی تفصیل حدیثِ نبوی میں ملاحظہ کیجیے۔

سورۂ شعراء کی مذکورہ بالا آیتیں نازل ہوئیں تو بعض مسلمان شعرا شاعری

Marfat.com

کرنے سے ڈرے اور اس سے گریز شروع کر دیا۔ خاص طور سے کعب بن مالک کے بارے میں ہے کہ انہوں نے خدمت نبوی میں عرض کیا کہ ہمارے بارے میں ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں، مقصد یہ تھا کہ اب ہم شاعری کیسے کر سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم ان کے مخاطب نہیں ہو۔ مومن تو اپنی تلوار اور زبان دونوں سے جہاد کرتا ہے۔ المومن یجاھد بسیفہ ولسانہ

ایک بار آپ کے سامنے شعر و شاعری کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ شاعری بھی ایک طرز کلام ہے جس میں اچھائی اور برائی دونوں ہوتی ہے۔ اچھے کلام کو اچھا کہا جائے گا اور برے کلام کو برا کہا جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

آپ نے فرمایا کہ بعض اشعار میں حکمت کی باتیں ہوتی ہیں، ان من الشعر لحکمۃ حکمت کے لغوی معنی روکنے کے ہیں اور عموماً عدل و انصاف اور علم و فضل کی بات آنی کو برائی سے روکنے کا سبب ہوتی ہے اس لیے اس کو حکمت کی بات کہتے ہیں مقصد یہ ہے کہ بعض اشعار ایسے ہوتے ہیں، جن میں جہالت و جاہلیت اور سفہ و حماقت کے بجائے عدل و انصاف اور اخلاق و کردار کی باتیں ہوتی ہیں۔

پھر آپ نے اس حکمت کی تشریح میں بعض اشعار پڑھ کر اور سنا کر بھی عام صحابہ کو اس کا مفہوم سمجھا دیا۔ آپ نے جاہلی شاعر لبید کا یہ مصرعہ

الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل

"خدا کے علاوہ سب چیزیں باطل و بے حقیقت ہیں"

پڑھ کر فرمایا کہ اصدق کلمۃ قالہا، بڑی اچھی اور سچی بات اس نے کہی ہے۔

امیہ ابن الصلت جاہلیت کا مشہور موحد شاعر گذرا ہے جس کے اشعار حق و صداقت اور حکمت سے پُر ہوتے تھے، آپ اس کے اشعار کو ذوق و شوق سے پڑھوا کر سنتے تھے۔

Marfat.com

اب تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ کیجئے :

ابتدائے اسلام میں جاہلیت کے مشاہیر شعراء خاص طور پر سبعہ معلقہ کے اشعار عربوں کے بچے بچے کی زبان پر تھے، لیکن آپؐ نے نہ نبوت سے پہلے ان سے کوئی دلچسپی لی نہ نبوت کے بعد ان کی طرف کوئی اعتنا کیا۔ کیا سبعہ معلقہ سے بھی بڑھ کر عربی شاعری کا کوئی شاہکار ہو سکتا ہے مگر آپؐ نے پورے دفتر میں لبید کا ایک مصرعہ اور اتنے بے شمار شعراء میں صرف امیہ بن ابی الصلت کو پسند فرمایا۔

آپؐ کے ارشادات سے اب شعر کی برائی بھی سن لیجئے :

آپؐ نے فرمایا کہ فحش اور بے باکانہ کلام نفاق کی ایک علامت ہے۔
(مشکوٰۃ شریف)

آپؐ نے ایک بار فرمایا کہ :

لان یملی جوف رجل قیحا یریہ خیر من ان یملی شعرا ۔
(بخاری و مسلم ج ص ۲۴۸)

کوئی آدمی اپنا پیٹ قے سے بھر لے یہ بہتر ہے، بجائے اس کے کہ وہ شعر و شاعری میں غرق رہے۔

آپؐ نے صرف غلط، بے مقصد اور عریاں شاعری کی مذمت ہی نہیں کی، بلکہ عملاً و حکماً اس سے باز رکھنے کی کوشش بھی فرمائی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار مقام عرج میں آپؐ تشریف فرما تھے۔ ایک شاعر عریاں و فحش کلام پڑھتا ہوا جا رہا تھا۔ آپؐ نے سنا تو فرمایا :

خذوا الشیطان او امسکوہ

اس شیطان کو پکڑ لو اور اشعار پڑھنے سے اسے روک دو۔

آپؐ کے اس ارشاد سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں :

(۱) اچھے اشعار تو آپؐ اپنی زبان پر لانا اور سننا پسند فرماتے تھے مگر عریاں اور

Marfat.com

فحش کلام کو پڑھنا تو درکنار اس کو نہ تو آپ سننا پسند فرماتے تھے اور نہ صحابہ کرام۔ چنانچہ حضرت ابوسعیدؓ نے ان اشعار کو نقل کرنا بھی پسند نہیں فرمایا۔

(۲) آپ نے عریاں اور فحش اشعار کہنے والے اور پڑھنے والے کو شیطان فرمایا ہے یعنی جس طرح شیطان آدمی کو بُرے خیالات اور جذبات میں پھنسا کر باطل گمراہی اور بُرائی کی راہ کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی طرح ایسے شاعر اور شاعری بھی شیطنت کا کام کرتے ہیں۔

(۳) آپؐ نے فحش اور عریاں اشعار کو سننا پسند نہیں فرمایا، تو کہنا تو اس سے بھی بڑا جرم ہے۔

(۴) سب سے اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ عریاں شاعری اور فحش کلام کہنے والے کو حکماً و قانوناً اس سے روک دینا چاہیئے۔

باوجودیکہ آپؐ عرب کی شعر پرور فضا میں پلے اور بڑھے تھے مگر شاعری جیسی جذباتی چیز سے آپؐ کے قدوسی و نبوی مزاج کو اتنا بُعد تھا کہ پوری زندگی میں مشکل سے دو چار شعر آپؐ نے اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائے تھے۔

ہجو کے جواز کے سلسلہ میں حضرت حسانؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کی شاعری کو پیش کیا جاتا ہے، یہ تو صحیح ہے کہ آپ نے حضرت حسانؓ کو، عبداللہ بن رواحہ کو اور کعب بن مالک کو ہجو کہنے کی اجازت دی اور حضرت حسانؓ کے لیے تو آپ نے مسجد نبوی میں منبر بھی رکھوایا اور ان کے اشعار خود سنے بھی، مگر یہ بات بھی یاد رہنی چاہیئے کہ یہ ہجو نہ تو جاہلی شعراء کی تھی اور نہ اموی دور کے شعراء جریر و فرزدق کی، بلکہ وہ ہجو حضرت حسانؓ، حضرت ابن رواحہؓ اور ابن مالکؓ کی تھی، اور پھر یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ ان کو بھی ہجو کی اسی وقت اجازت تھی، جب تک کہ وہ جہاد باللسان ہو نہ یہ کہ نری لسان ہو اور جہاد غائب ہو۔ حضرت حسانؓ کے اشعار سن کر

جو کچھ آپ فرماتے تھے اس پر ایک نمائندہ نظر ڈال لیجیے۔

ان اللہ یویدک بروح القدس ما نافحت عن اللہ و رسولہ (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعہ اس وقت تک تمہاری مدد کرتا رہے گا جب تک تم خدا و رسول کی طرف سے مدافعت کرتے رہو گے۔

کیا اس ہجو گوئی سے خمر میں ہجو پر استدلال کرنا صحیح ہوگا۔ قرآن و حدیث کی ان ہدایات کی روشنی میں اب حضرت عمرؓ کا طرز عمل ملاحظہ ہو:

مذکورۂ بالا ہدایات کی وجہ سے عہدِ نبوی سے عربی شاعری کا رخ بالکل بدل گیا تھا اور اس کا اثر عہدِ صدیقی تک رہا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایرانی اور بعض دوسرے عناصر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے عربی عصبیت میں پھر سے کچھ ابال آنے لگا تھا۔ گو حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ چیز بہت نمایاں نہیں ہوئی لیکن اس کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔

عہدِ نبوی میں جو ہجویں کہی گئیں، وہ ہجو برائے ہجو نہیں تھی، بلکہ ان میں ان الزامات کی تردید ہوتی تھی جو قریش کے شعراء خدا اور اس کے رسولوں پر لگاتے تھے، ذاتی عداوت کی بنا پر ایک ہجو بھی نہیں کہی گئی تھی۔ اسی طرح اس وقت تشبیب کہنا قصیدے کا ایک لازمی جزو سمجھا جاتا تھا، اس لیے بالکلیہ اس کا ترک کرنا تو مشکل تھا، مگر عہدِ نبوی میں جن شعراء نے تشبیبیں کہی تھیں وہ کسی اجنبی عورت کے حسن و عشق کی داستان نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ اپنی بیوی یا کسی اور محرم عورت کو مخاطب کرکے اپنے جذبات کا اظہار کرتے تھے، لیکن اس میں عریانی کا نام تک نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ کعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے لختیہ قصیدے کی تشبیب کو ملاحظہ کیجیے اور پھر حضرت عمرؓ کے عہد کے بعض شعراء کی تشبیبیں ملاحظہ کیجیے، آپ کو دونوں میں صاف

زق نظریت ۔ا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بعض شعرا نے ایسی تشبیب کہنی شروع کر دی تھیں جو "نسیب" عورتوں کا حج کے زمانہ میں باہر نکلنا بند ہو گیا تھا۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں :

حطیئہ مخضرم زق کا ایک مشہور ہجو گو شاعر تھا۔ اس نے عہد صدیقی میں اسلام قبول کیا تھا، لیکن صاحب طبقات الشعراء کے بیان کے مطابق "کان قلیل الاسلام دلیم الصبا" اس کا رشتہ اسلام سے بھی کمزور تھا اور دل اصلیح بھی تھا۔ اس کی دناءت کا حال یہ تھا کہ اس نے اپنی ماں، اپنے باپ اور اپنے خاندان کے دوسرے تمام افراد کی ہجو کہی تھی اور یہاں تک خود اپنی ہجو بھی کہہ ڈالی تھی۔ اسی عہد کا ایک خوشحال شاعر زبرقان بن بدر تھا جو اس کے پڑوس میں رہتا تھا۔ کسی بات پر حطیہ اس سے ناراض ہو گیا اور اس نے زبرقان کی ایسی ہجو کہہ ڈالی۔ زبرقان نے یہ معاملہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے وہ قصیدہ منگوایا۔ سرسری نظر ڈالی اور فرمایا کہ اس میں تو کوئی خاص بات نظر نہیں آتی جس پر حطیہ کو تنبیہ کی جائے۔

زبرقان نے کہا، امیرالمومنین! اس کا آخری شعر ملاحظہ کیجئے اس میں کتنا سخت طنز اور کیسی شدید ہجو ہے۔

دع المکارم لا ترحل لبغیتہا
واقعد فانک انت الطاعم الکاسی

"چھوڑ دو تم مکارم اخلاق اور محاسن کے حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو، تم کھاتے پیتے آدمی ہو، گھر ہی میں آرام سے بیٹھو"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم کھاتے پیتے آدمی نہیں ہو؟

زبرقان نے کہا کہ امیرالمومنین! مجھ سے اس نے طنز سے ایسا کہا ہے۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسانؓ کو فیصلہ کے لیے بلایا۔ حضرت حسانؓ نے قصیدہ سن کر کہا کہ امیرالمومنین اس نے ہجو نہیں کی ہے بلکہ نیزہ اندازی اور تیغ زنی کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کو قید کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ:

"بدبخت تجھ سے میں مسلمانوں کی عزت و آبرو محفوظ رکھوں گا"۔ [1]

اسی طرح ایک شاعر نجاشی تھا جس نے بنو مجلان کی ہجو کہی تھی۔ حضرت عمرؓ کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو انہوں نے حضرت حسانؓ اور حطیہ جو غالباً اس وقت قید تھا کے پاس فیصلہ کے لیے بھیجا۔ دونوں شاعروں نے اس کے شدید ذاتی ہجو ہونے کا فیصلہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو سخت تنبیہ کی اور فرمایا کہ:

ان عدت قطعت لسانک

"اگر آئندہ تم نے کسی کی ہجو کی تو تیری زبان کاٹ لوں گا"۔

غور کیجئے کہ کیا حضرت عمرؓ ان ہجو گو شعراء کو، جن کی شاعری سے لوگوں کی عزت و آبرو تک محفوظ نہیں تھی، ہجو گوئی سے روکتے نہیں تو کیا ان کی دلجوئی کرتے۔ کیا عہد نبوی میں بھی کوئی ایسی مثال ملتی ہے کہ کسی شاعر نے ذاتی عناد کی بنا پر کسی کی عزت اتارنے کی کوشش کی ہو، پھر بھی اس کی روک ٹوک نہ کی گئی ہو۔ کیا لوگوں کی عزت و آبرو بچانے کے لیے قرآن میں کثرت سے احکام نہیں دیئے گئے ہیں۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برے اور فحش اشعار کو ناپسند نہیں کیا ہے، کیا آپ نے ایک شاعر کو حکماً اشعار پڑھنے سے

---

[1] طبقات الشعراء ص ۱۸۶

Marfat.com

روک نہیں دیا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل قرآن و سنت کے منشا کے مطابق ہوا، یا اس کے خلاف؟

تطویل کے خیال سے دو ایک مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے، ورنہ اس کی متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں روک ٹوک نہ کی ہوتی تو جاہلی شاعری کی وہ تمام خرابیاں پھر عود کر آتیں جن کی یاد ابھی بہت سے راہ رو لوگوں کے دلوں میں انگڑائیاں لے رہی تھی۔

Marfat.com

سلسلۂ مطبوعات مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری — ۲۹

اِجتہاد اور تبدیلیٔ احکام

تالیف

مولانا مجیب اللہ ندوی

مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری
نسبت روڈ ○ لاہور

Marfat.com